جان سے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی

پیاری باتیں

اللهم صل على محمد
الله
رسول
محمد

تالیف

نادرہ انصاری

نظرثانی

شیخ الحدیث مولانا عبدالمالک حفظہ اللہ

انتساب

انصاری فیملی کے نام

عزیزی سعد انصاری و ذکیہ علوی

حسن انصاری و مدیحہ وزیر علی

انس انصاری و ارم رحمت اللہ

زید انصاری و گیتی رحمٰن

تزئین انصاری و عمر ڈگلس مونک

فرحین انصاری و خالد چشتی

نورین انصاری و مدثر خان

سیرین انصاری و عاطف خان

اور

ہر اس انسان کے نام جو محمد ﷺ سے گہری عقیدت رکھتا ہے اور ان کی احادیث پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا کا خواہش مند ہے

اللّٰھُمَّ

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اللّٰھُمَّ

بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

فہرست

❀ تقریظ شیخ الحدیث مولانا عبدالمالک حفظہ اللہ 7
❀ حرفِ اوّل 9
❀ دین میں حدیث وسنت کا مقام 12
1 کہو میں ایمان لایا اللہ پر اور پھر اس پر استقامت اختیار کرو 15
2 باندھو اور توکل کرو 18
3 جائز سفارش کرو اور اجر پاؤ 20
4 روٹی کی عزت کرو 23
5 دایاں ہاتھ لو پھر اس کا دایاں ہاتھ لو 25
6 قوم کا سردار اس کا خادم ہوتا ہے 27
7 جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے 30
8 برائی کو ہاتھ سے روکنا اور ایمان کا سب سے کمزور درجہ 33
9 قیامت کے قریب فتنہ، جہالت اور خون ریزی 35
10 جب تمہارے پاس کوئی معزز آدمی آئے تو اس کی عزت کرو 37
11 نادم ہونا ہی توبہ ہے 38
12 اپنے درمیان سلام کو پھیلاؤ 40
13 نکاح علانیہ کرو 43
14 حیا مکمل طور پر خیر ہی خیر ہے 46
15 غصہ نہ کر 48
16 آپس میں ہدیہ دو اور محبت پیدا کرو 52

17 بزرگوں کی وجہ سے برکت ہوتی ہے 54
18 جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا 56
19 تو خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا 59
20 مانگی ہوئی چیز واجب الاعادہ ہوتی ہے 60
21 مظلوم کی بددعا سے بچو 62
22 نظر لگنا حق ہے 63
23 بدفالی شرک ہے 65
24 اللہ کی ملاقات حق ہے 67
25 جنت حق ہے 69
26 جہنم حق ہے 71
27 روزہ ڈھال ہے 73
28 دعا کرنا افضل عبادت ہے 75
29 دین خیر خواہی کا نام ہے 77
30 جنگ میں دھوکہ ہوتا ہے 81
31 صفائی نصف ایمان ہے 84
32 قرآن تمہارے حق میں حجت ہوگا یا تمہارے خلاف 87
33 میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے 89
34 جس نے رمضان کے روزے ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھے اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے 90
35 جس مال میں سے زکوٰۃ نہ نکالی جائے اور اس میں ملی جلی رہے تو وہ مال کو تباہ کر کے چھوڑتی ہے 92
36 اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے، پس تم حج کرو 93

37 جہاد سے واپسی بھی جہاد کی طرح ہے 95
38 نبی کی مالی میراث نہیں ہوتی 96
39 دو نعمتیں جن کی اکثر انسان قدر نہیں کرتے وہ ہیں صحت اور فارغ وقت 97
40 موت کی تمنا نہ کرو 99
41 بخار کی موت شہادت ہے 101
42 وارث کو وصیت نہیں چلتی 103
43 نہ تکلیف پہنچاؤ اور نہ بدلے میں تکلیف پہنچاؤ 105
44 آدمی جس کے ساتھ محبت کرتا ہے اسی کے ساتھ ہوگا 108
45 ہر نیکی صدقہ ہے 111
46 جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ مہمان کا اکرام کرے 114
47 جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ پڑوسی کی عزت کرے 117
48 مریض کی عیادت کرو 119
49 جس نے اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوگا 121
50 ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے 123
51 ہر امت کا ایک فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے 124
52 مجلس سے اٹھنے کی دعا 126
53 امت میں نبی کریم ﷺ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے لوگ 128
❀ نعت 129

اللھم صل علی سیدنا محمد وسلم

تقریظ

از...... شیخ الحدیث مولانا عبدالمالک

سابق ممبر قومی اسمبلی، سابق ممبر اسلامی نظریاتی کونسل، شیخ الحدیث و ناظم اعلی جامعہ مرکز علوم اسلامیہ منصورہ
صدر رابطة المدارس الاسلامية پاکستان، صدر جمعیت اتحاد العلماء پاکستان

حدیث رسول ﷺ قرآن پاک کی تفسیر وتشریح ہے۔ امت مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ کتاب اللہ کے ساتھ سنت رسول اللہ ﷺ بھی اسلامی آئین و قانون کا مآخذ ہے۔ پاکستان میں آئینی طور پر سنت رسول اللہ ﷺ کو قرآن پاک کے ساتھ مآخذ آئین قانون کے طور پر سپریم لاء کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْآنَ وَ مِثْلَہٗ مَعَہٗ"

''مجھے قرآن پاک کے ساتھ اس کی مثل بھی دی گئی ہے۔''

یعنی حدیث رسول اللہ ﷺ وحی الٰہی ہونے میں قرآن پاک کی مثل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیْ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثًا مِنْ اَمْرِ دِیْنِھَا بَعَثَہُ اللّٰہُ فَقِیْھًا عَالِمًا وَ شَھِیْدًا"

''جس نے میری امت کے فائدے کے لیے چالیس احادیث یاد کیں اسے اللہ تعالیٰ فقیہ، عالم اور شہید بنا کر اٹھائے گا۔''

یہ کتاب حرفِ اوّل، دین میں سنت و حدیث کا مقام اور چالیس احادیث کی تشریح اور مطالب کی وضاحت پر مشتمل ہے جو نہایت جامع اور دل نشین انداز میں کی گئی ہے۔ **محترمہ نادرہ انصاری** نے ایمان افروز انداز میں ترجمہ وتشریح کی ہے۔

محترمہ نادرہ انصاری صاحبہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن و حدیث کے فہم کا خصوصی ذوق

عنایت فرمایا ہے۔ انہوں نے ایسی احادیث مرتب کی ہیں جن میں امت کے تمام طبقات کے لیے روزمرہ کے معاملات کے سلسلہ میں ہدایات ہیں۔ یہ ایک عظیم تربیتی کورس ہے۔ اس کے ذریعہ آخرت کے درجات کے ساتھ ساتھ دنیا میں اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے، اسلامی احکام و آداب کی رعایت کرنے اور ان کے مطابق زندگی بسر کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ خصوصاً مستقبل کے نونہالوں کو دین سے وابستہ کرنے کا نسخۂ کیمیا ہے۔

محترمہ نے حرفِ اوّل میں کیا خوب فرمایا ہے:

> ”میری تمنا ہے کہ اس کتاب کا ہر قاری ان حدیثوں کو خود بھی یاد کرے اور دوسروں کو بھی یاد کرانے میں معاون و مددگار بنے۔ رسول اللہ ﷺ سے اپنی محبت کا حق ادا کرنے والا بن جائے۔ ہم صرف برکت کے لیے حدیث پڑھنے والے نہ ہوں بلکہ اس پر عمل کرنے والے بھی ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان پر عمل کو میرے لیے اور آپ کے لیے آسان کردے اور آخرت کے لیے بھی توشہ بنادے۔“

محترمہ نے احادیث کی روشنی میں جو راہنمائی دی ہے وہ ان کے علمی اور دینی جذبہ کا بہترین پھل ہے۔ میں نے اس طرح کی تشریح پر مشتمل بہترین، عمدہ اور جامع مجموعہ جو روزمرہ مسائل پر بھی مشتمل ہو پہلے نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ محترمہ کی اس علمی کاوش کو قبول و منظور فرمائے اور اسے ہر مسلمان کے گھر کی زینت بنادے۔ آمین

عبدالمالک عفی عنہ

منصورہ، لاہور

28 فروری 2015ء

حرفِ اوّل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَمَا يَنْبَغِىْ لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَ عَظِيْمِ سُلْطَانِكَ، اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ.

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں جس نے اپنی رحمت سے انسانیت کو سچے دین سے روشناس کرایا۔ اپنی کتاب قرآن مجید نازل فرمائی اور اس کے لیے اپنے بندے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ انہوں نے اللہ عز وجل کا پیغام امت کو پہنچادیا اور امانت کا حق ادا کردیا۔ خیر و بھلائی کے ہر راستہ کی طرف رہنمائی فرمائی۔ ان پر لاکھوں کروڑوں درود و سلام ہوں۔

اعمال میں وہی عمل مقبول ہیں جن میں نیت خالص اللہ کی رضا ہو اور اس میں کسی دکھلاوے کی آمیزش نہ ہو۔ وہ اللہ کی بھیجی ہوئی شریعت اور اس کے رسول کی سنت کے مطابق کیا گیا ہو اور ہر وہ عمل مردود ہے جس میں خواہش نفس، اہل بدعت اور گمراہوں کے راستے کی پیروی کی گئی ہو۔ محمد ﷺ سے محبت رکھنا جزو ایمان ہے۔ ان کے طریقے پر چلنا دنیا و آخرت کی کامیابی کی کنجی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان اصحاب پر اپنی رحمتیں نازل کرے جنہوں نے محمد ﷺ کی باتوں کو یاد رکھا، ان کو جمع کیا اور ان کو لکھ کر محفوظ کردیا۔ جس سے بعد میں آنے والی نسلیں آج تک فیضیاب ہورہی ہیں۔ احادیث کے ذخیرہ میں بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں اور لکھی جاتی رہیں گی۔ عرصہ دراز سے میری دلی خواہش تھی کہ ایسی ایک کتاب مرتب کروں جس میں رسول اکرم ﷺ کے اقوال جامع اور مختصر ہوں تاکہ ان کو یاد کرنا آسان اور ان پر عمل کرنا دین کا جزو سمجھا جائے۔ کچھ عرصہ پہلے میری نظر مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مرتب کئے ہوئے ایک انمول مجموعہ پر پڑی، کوئی شائق علم اور حب رسول کا دعوے دار اس کی فوٹو کاپی تقسیم کررہا تھا۔ اسے دیکھ کر دل کی سوئی ہوئی خواہش جاگ اٹھی۔ لہٰذا اپنے شوق کو

پورا کرنے کے لیے میں نے اسلام آباد اوپن یونیورسٹی کے سابق **پروفیسر شیخ نثار احمد صاحب** سے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد **حافظ ظفیر علی صاحب** سے صحاحِ ستہ کا بنیادی کورس مکمل کیا۔

اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق سے منتخب احادیث پر مشتمل یہ کتاب پیشِ خدمت ہے جس میں ہر حدیث کی مختصر تشریح بھی شامل کی گئی ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ کی زندگی کی مثالیں اور عوام الناس کی روزمرہ کی زندگیوں کی مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں تاکہ جتنی اللہ عزوجل توفیق عطا فرمائے اس پر عمل کرنا بھی آسان ہوجائے اور یوں انسان اپنے آپ کو روزِ محشر رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کا حقدار بھی بنالے۔ محمد ﷺ نے فرمایا:

”مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیْ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثًامِنْ اَمْرِ دِیْنِهَابَعَثَهُ اللّٰهُ فَقِیْهًا، عَالِمًاوَشَهِیْدًا“۔

ترجمہ ”جو شخص میری امت کے فائدے کے لیے دین کے کام کی چالیس حدیثیں حفظ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن فقیہوں، عالموں اور شہیدوں کے ساتھ اٹھائے گا“۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ جو انہوں نے حجاج بن یوسف کے روبرو محمد ﷺ کے لیے کہے، یاد رکھنے کے لائق ہیں:

”اولادِ آدم کے سردار، نبی مصطفیٰ، شفیع المذنبین، سید المرسلین، شاہ امم، سلطان مدینہ، ساری مخلوق میں سب سے اعلیٰ، اجمل، اکمل اور برتر ہیں۔ رسالت کا تاج ان کے سر پر سجایا گیا۔ انہوں نے امانت کا حق ادا کردیا۔ آپ ﷺ نے اللہ کی رضا کے لیے قرآن مجید کے احکامات عام لوگوں تک پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ بنی نوع انسان کے لیے تن من اور دھن کی بازی لگادی“۔

محمد ﷺ نے فرمایا **”نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِیْثًا وَ حَفِظَهٗ حَتّٰی یُبَلِّغَهٗ“۔**

ترجمہ ”اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے میری بات سنی اسے یاد رکھا پھر اسے آگے پہنچادیا“۔

میری دلی تمنا ہے کہ اس کتاب کا ہر قاری ان حدیثوں کو خود بھی یاد کرے دوسروں کو بھی یاد کروانے میں معاون و مددگار بنے اور رسول اللہ سے اپنی محبت کا حق ادا کرنے والا بن جائے۔ ہم صرف برکت کے لیے حدیث پڑھنے والے نہ ہوں بلکہ اس پر عمل کرنے والے بھی ہوں اللہ تعالیٰ ان پر عمل کو میرے اور آپ کے لیے آسان کردے اور آخرت کے لیے توشہ بنادے۔ کتاب سادہ اور آسان زبان میں لکھی گئی ہے تاکہ قاری اسے آسانی سے سمجھ سکے۔

میں ان تمام لوگوں کی مشکور ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں حصہ لیا، خاص طور پر ہمارے بزرگ عالم دین **شیخ الحدیث مولانا عبد المالک صاحب مدظلہ** کی جنہوں نے اپنی انتہائی مصروفیت میں سے وقت نکال کر اس کتاب کے لیے تقریظ قلمبند کی۔ اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر سے نوازے اور اپنی جناب میں اس کوشش کو قبول فرمائے۔ آپ سے درخواست ہے کہ اپنی دعاؤں میں اس ناچیز کو ضرور یاد رکھئے گا۔

خیر اندیش

نادرہ انصاری

مارچ 2015

دین میں حدیث وسنت کا مقام

اس بات کو ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ دین کی دو ہی بنیادیں ہیں ایک قرآن حکیم اور دوسری حدیث رسول ﷺ۔ بلاشبہ قرآن پاک دین وشریعت کی اصل اساس ہے۔ وہی سب سے مقدم اور محکم ہے مگر اس کا کام صرف اصول بتانا ہے۔ تفصیل اور تشریح حدیث وسنت سے پتہ چلتی ہے۔ یہ بات مسلمہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم محمد ﷺ کے واسطہ سے دنیا میں بھیجا گیا تا کہ لوگ رسول کے بیان اور تشریح کی روشنی میں اللہ کی اس کتاب کو سمجھیں۔

اللہ تعالی سورۂ نحل میں فرماتے ہیں:

﴿وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡہِمۡ وَ لَعَلَّہُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ۝﴾ (النحل: 44)

”اور ہم نے آپ کی طرف اس ذکر کو نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کے سامنے اُس تعلیم کی تشریح بیان کریں جو ان کے لیے نازل کی گئی ہے تا کہ وہ لوگ خود بھی اس پر غور وفکر کریں۔“

سورہ آل عمران میں بیان فرمایا:

﴿لَقَدۡ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِہِمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ ۚ وَ اِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ۝﴾ (آل عمران: 164)

”بے شک اللہ تعالی نے مومنوں پر بہت بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان ان ہی میں سے رسول بھیجا جو اُس کی آیات انہیں سناتا ہے، ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ صریح گمراہوں میں مبتلا تھے۔“

اس سے یہ ثابت ہوا کہ محمد ﷺ کا کام معلم کا تھا اور انہوں نے اپنے قول وعمل سے اس پر عمل کرنے کی صورت سکھائی۔ اس کا مفہوم سمجھایا اس کی قولی تشریح فرمائی۔ عملی تشریح یہ تھی کہ قرآن میں ایک حکم نازل ہوا۔ آپ نے اس پر عمل کر کے لوگوں کو دکھایا۔ جس کی وجہ سے الفاظ قرآن کا مفہوم بھی متعین ہو گیا اور عملی نقشہ بھی سامنے آ گیا۔ اس کی بہت سی مثالوں میں سے اقامت صلوٰۃ کا حکم اور اس کی ادائیگی، حج کا طریقہ اور ترتیبِ مناسک، زکواۃ کا نصاب وغیرہ ہیں۔

علمائے سلف اس بات پر متفق ہیں کہ کتاب وحکمت کی تعلیم دینے کا جو قرآن میں حکم ہے۔ اس میں حکمت سے مراد سنت رسول اللہ ہے۔ سنت بھی وحی الٰہی کی ایک قسم ہے۔

﴿وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡہَوٰی۝ اِنۡ ہُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی۝﴾ (النجم: 4 - 3)

”وہ اپنی خواہشِ نفس سے نہیں بولتا مگر وہ جو اس پر وحی کی جاتی ہے۔

محمد ﷺ نے فرمایا، ”مجھے کتاب دی گئی اور اس کے مثل ایک اور چیز دی گئی۔ (سنت)

﴿لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنۡ کَانَ یَرۡجُوا اللّٰہَ وَ الۡیَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَ ذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیۡرًا۝﴾ (الاحزاب: 21)

”تمہارے لیے اللہ کے رسول کے طریقے میں بہترین نمونہ ہے۔ ہر اس شخص کے لیے جو روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہو۔“

اس آیت میں اللہ تعالی نے زندگی کے ہر مرحلہ پر رسول اللہ کے نقش قدم پر چلنے کا حکم دیا ہے۔ چاہے جنگ ہو یا امن، پریشانی وغم ہو یا خوشی کا موقع ہو۔ جنگ ہے یا صلح کا موقع ہے۔ نماز پڑھنا ہے یا حج کرنا سب میں آپ کی اطاعت لازمی ہے۔

﴿قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ﴾ (آل عمران: 31)

”کہو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرے پیچھے چلو اللہ تم سے محبت کرے گا۔“

اللہ سے محبت کا معیار مطلقاً نبی کا اتباع قرار دیا گیا۔ رسول کی ذات نمونۂ عمل ہے اور قرآن کے ماننے والے نبی ﷺ کی پیروی پر مامور ہیں۔

بزرگوں اور اکابر کے آثار کی حفاظت اور ان کے کارناموں کو زندہ اور ان کی سوانح کو یاد رکھنے کا جذبہ فطری طور پر ہر قوم میں ہوتا ہے۔ دنیا میں ہر زندہ قوم اپنے بزرگوں کے آثار، بہادری کے کارناموں اور شاعری کے کلام کو باقی اور محفوظ رکھنے کی ہر ممکن تدبیر عمل میں لاتی ہے۔ اسی لیے مسلمان قوم جو علم دوست قوم ہے۔ اس نے دنیا کے سب سے بہتر اور سب سے زیادہ علم دوست اور سب سے زیادہ محاسن، کمالات اور زریں خصوصیات کے حامل انسان کی روایات، سیرت، مغازی اور اخلاق و عادات کو محفوظ رکھا ہے اور دوسروں تک پہنچایا ہے۔

قرآن پاک کو اللہ کی کتاب ماننا اور اس کا سمجھنا ہر زمانہ کے اہل ایمان کے لیے ضروری ہے اور اس کے لیے اُن کو احادیث کے ذخیرے کی طرف لازماً رجوع کرنا ہوگا جس کو پوری طرح جانچ پرکھ کر ائمہ احادیث نے اور اہلِ سیر نے محفوظ کر دیا ہے۔

(ماخوذ از مقدمہ معارف الحدیث مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ)

حدیث-1

محمد ﷺ نے فرمایا: قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ

”بولو میں ایمان لایا اللہ پر اور پھر اس پر جم جاؤ۔“

(راوی سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ۔ کتاب صحیح مسلم)

صحابی رسول سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے محمد ﷺ سے سوال کیا، ”مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے کہ پھر اس کے بعد کچھ اور پوچھنے کی ضرورت نہ رہے؟۔ تو آپ نے یہ جامع جواب دیا جس میں دین کی ساری تعلیمات آگئیں۔ یعنی زبان سے اور دل سے اللہ عزوجل کی موجودگی کا، اس کی وحدانیت کا، اس کی تمام صفات جیسے مالک، رازق اور خالق وغیرہ کے ساتھ اس کا اقرار کیا جائے۔ پھر جو دین محمد ﷺ لے کر آئے اس پر عمل میں ثابت قدم رہا جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے ”علم عمل کو آواز دیتا ہے اگر عمل پہنچا تو ٹھیک ورنہ علم بھی رخصت ہو جاتا ہے۔“

استقامت کا مطلب سیدھے سیدھے دین اسلام پر زندگی بھر چلتے رہنا ہے۔ راہ میں آنے والے دائیں بائیں exit کی طرف بالکل توجہ نہیں کرنا اور جو مشکلات و مصائب اس راستہ پر چلنے میں درپیش آئیں ان سے گھبرا کر دین کو چھوڑ نہ دیا جائے۔ استقامت کی اعلی مثال محمد ﷺ کی حیات طیبہ ہے جنہوں نے اپنا مال، اپنی جان، اپنی صلاحیتیں، اپنا وقت غرض یہ کہ اپنے تمام وسائل اس راہ میں لگا دیئے اور راہ میں آنے والے تمام مصائب سہتے رہے۔ ان سے گھبرا کر دین کی دعوت دینا نہ چھوڑا۔ یہی سبق صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو سکھا گئے جن کی کوششوں سے دین سارے عالم میں پھیل گیا۔ ان کے استقامت کے واقعات سے تاریخ اسلام بھری پڑی ہے۔ ان پاک نفوس کے واقعات پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایمان کو جلا ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو ان کی زندگی ہی میں جنت کی بشارت دے دی گئی تھی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو فاتح ایران ہیں۔ 17 سال کی عمر میں انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ ان کے چاروں طرف اندھیرا ہے اور وہ اس میں ڈوبتے چلے جا رہے ہیں۔ اچانک انہیں روشنی دکھائی دی۔ نظر اوپر گئی تو دیکھا ایک چاند جگمگا رہا ہے۔ قریب پہنچے تو دیکھا کہ کچھ لوگ جمع ہیں وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے پوچھنے پر بتایا کہ بس ابھی آئے ہیں۔ صبح جا کر ان سے ملے تو پتا چلا کہ وہ ”چاند“ محمد ﷺ ہیں۔ جو دین اسلام کی خفیہ دعوت دے رہے ہیں۔ انہوں نے محلّہ اجیاد کی گھاٹی میں محمد ﷺ کی زیارت کی اور اسلام قبول کرلیا اور چوتھے اولین مسلمان شمار ہوئے۔

ان کو اپنی والدہ سے اور والدہ کو ان سے بہت محبت تھی۔ والدہ ان کے دین بدلنے پر سخت ناراض ہوئیں اور انہوں نے قسم کھائی کہ نہ کھائیں گی، نہ پئیں گی اور نہ سایہ میں بیٹھیں گی جب تک سعد یہ نیا دین نہ چھوڑ دیں۔ کئی دن اس حالت میں گزرے اور وہ قریب المرگ ہوگئیں۔ سعد رضی اللہ عنہ ان کی منتیں کرتے رہے آخر پریشان ہو کر محمد ﷺ کی خدمت میں آئے تو انہوں نے سورہ لقمان کی آیت 13، 14، 15 سنائیں جن کا ترجمہ ہے ”یہ حقیقت ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے۔ یہ کہ میرا اور اپنے والدین کا شکر بجا لا۔ میری طرف تجھے پلٹنا ہے۔ لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ کسی کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔ دنیا میں ان کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرتا رہ مگر پیروی اس شخص کے راستہ کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا۔“

یہ آیتیں سن کر ماں کے پاس آئے اور مضبوط لہجے میں کہا، بے شک میں آپ سے بے حد محبت کرتا ہوں مگر اس سے زیادہ اللہ اور اس کا رسول مجھے محبوب ہیں۔ اللہ کی قسم اگر آپ کے جسم میں ہزار جانیں ہوں اور وہ ایک ایک کر کے آپ کے جسم سے نکل جائیں۔ تب بھی میں اس دین کو نہیں چھوڑوں گا۔“ ماں نے بیٹے کی یہ استقامت دیکھی تو اسے یقین ہوگیا کہ یہ اب نہیں پلٹے گا۔ تو انہوں نے اپنی قسم توڑ دی اور کھانا پینا شروع کر دیا۔

استقامت کے بارے میں قرآن میں سورہ فصلت میں ارشاد ربانی ہے، ”جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے۔ ان پر فرشتے اترتے ہیں اور کہتے ہیں کچھ خوف و غم نہ کرو بلکہ جنت کی بشارت سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ دنیا و آخرت میں ہم تمہارے ساتھی ہیں اور تمہارے لیے وہاں ہر قسم کی دل پسند نعمتیں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ مہربان بخشش کرنے والے کی طرف سے مہمانی ہوگی۔“

دین پر استقامت ایک مشکل ترین کام ہے۔ جب انسان کو دین کا پورا اور صحیح علم نہیں ہوتا تو اس کے بھٹکنے کے مواقع زیادہ ہو جاتے ہیں۔ دنیا کی چمک دمک اس کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور وہ اس کی لذتوں کے حصول میں سرگرداں ہو جاتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دین کا علم تو پورا ہے مگر جان و مال کی کمی کا خوف اس کو اپنی دنیا چھوڑنے سے روکتا ہے اور اس سے استقامت کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ جس معاشرہ میں رہتا ہے اس کا دباؤ، اس میں زندگی بسر کرنے کے طور طریقے، اس کا نظام تعلیم، اس نظام زندگی سے مرعوبیت اور دنیا میں اس ملک کی ترقی ایسے عنوانات ہیں جو اس کو دین پر استقامت سے روکتے ہیں۔ اور انسان اس سیلاب میں بہہ جاتا ہے جس سے صرف دنیا حاصل ہوتی ہے اور آخرت برباد ہو جاتی ہے۔

دین پر استقامت کے لیے ضروری باتیں درج ذیل ہیں

- تنہا ہو یا مجمع میں قرآن، نماز اور ذکر اللہ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔
- نفس سے کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کر کے پلٹ آئے۔
- اپنے نفس کو نیکی پر آمادہ کرنے کی انتہائی کوشش کرتا رہے۔ اس کے لیے صحبت صالحہ اختیار کرے اور کسی دینی جماعت سے جڑ جائے۔
- اس راہ میں آنے والی مشکلات و مصائب پر صبر کرے اور اس پر اللہ عز و جل سے اجر کی امید رکھے اور یاد رکھے ہر تنگی کے بعد آسانی ہے، إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا

دین پر استقامت کی مثالوں میں موجودہ صدی میں سید مودودی، حسن البنا شہید، سید قطب، عبدالقادر عودہ شہید رحمہم اللہ، زینب الغزالی اور عافیہ صدیقی کے نام آتے ہیں۔

حدیث-2

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قَیِّدُوْا وَ تَوَکَّلُوْا
''باندھواور توکل کرو۔''

(راوی عمر بن امیہ رضی اللہ عنہ - کتاب بیہقی)

محمد ﷺ کے پاس ایک شخص آیااور اس نے پوچھا،''اونٹ کو باندھ کر توکل کروں یا اسے چھوڑ کر توکل کروں۔ تو آپ ﷺ نے جواب دیا،''باندھ اور توکل کر''۔

''توکل'' کے لفظی معنی بھروسہ کرنا ہے اور اس سے مراد اللہ تعالی کی ذات پر بھروسہ کرنا ہے۔ قرآن مجید میں بہت سی آیتیں توکل کے ذیل میں آئی ہیں۔ ایک پیش خدمت ہے:

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ﴾ (سورہ الفرقان۔ آیت 68)

''اس ذات پر بھروسہ کرو جس کو کبھی موت نہیں۔''

یہ حدیث ہمیں سکھاتی ہے کہ دنیا کے تمام امور انجام دیتے ہوئے ہم تمام تدابیر کو عمل میں لائیں پھر ذات باری تعالی پر بھروسہ کریں۔ مثلاً کوئی مریض ہے تو اس کی شفا کے لیے صرف دعا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لیے دوا، غذا اور علاج کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔ کوئی بے روزگار ہے اور اسے ملازمت چاہیے تو اس کے لیے ضروری تیاری لازم ہے۔ علم کا حصول اور اس میں مہارت پھر کسی کمپنی میں اپلائی کرنا اور اس کے لیے انٹرویو کی تیاری کرنا بھی ضروری ہے۔ سب لوازمات اپنی پوری قابلیت کے ساتھ کئے جائیں پھر دعا کے ساتھ اللہ عز وجل پر پورا بھروسہ کرے کہ جو اس کے حق میں بہتر ہوگا وہی معاملہ انشاء اللہ اس کے ساتھ کیا جائے گا۔

ایک مرتبہ محمد ﷺ کسی غزوہ سے واپسی پر لشکر کے ساتھ راستہ میں رکے۔ ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے۔ اپنی تلوار درخت پر لٹکا رکھی تھی۔ ایک مشرک آپ کی نیند سے فائدہ اٹھا کر آپ کی تلوار آپ ہی کے اوپر اٹھا کر کھڑا ہو گیا اور بولا، اب بتا تجھے مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟۔ آپ نے بڑے سکون اور کامل یقین سے فرمایا،''اللہ''۔ یہ سنتے ہی تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ آپ کے رعب و دبدبہ سے وہ کانپنے لگا۔ اب محمد ﷺ نے وہ تلوار اٹھائی اور اس پر سونت کر پوچھا،''بتا اب تجھے مجھ سے کون بچا سکتا ہے''۔ بولا آپ ہی بچا سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا پڑھ،''**لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**''۔ کہنے لگا، یہ نہیں کہوں گا مگر وعدہ کرتا ہوں کہ نہ خود کبھی آپ کے خلاف تلوار اٹھاؤں گا اور نہ آپ کے مقابلہ میں کسی لڑنے والے کا ساتھ دوں گا۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے اسے آزاد کر دیا۔۔ اپنے مشرک ساتھیوں کے پاس جا کر اس نے بتایا کہ دنیا کے بہترین انسان کے پاس سے آرہا ہوں۔ (راوی جابر رضی اللہ عنہ۔ متفق علیہ)

ایک مرتبہ ایک آدمی محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ فلاں شخص نے میرا مال ضبط کر لیا ہے۔ آپ نے پوچھا،''کیا تم نے اللہ عز وجل کے فرمان کے مطابق کوئی دستاویز تیار کی تھی''۔ وہ بولا،''نہیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا''اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ جو اللہ کا بتایا ہوا طریقہ ہے۔ اس کے خلاف کرتے ہو اور پھر شکایت لاتے ہو۔''

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی اپنے شہر سے دور چھٹیاں منانے جا رہا ہے تو اسے چاہیے کہ گھر کو یونہی چھوڑ کر بس توکل علی اللہ کر کے نہ چلا جائے بلکہ اچھی طرح بند کر کے جائے الارم سسٹم ہو تو وہ چلا کر جائے اور پڑوسی کو خبر کر کے جائے یا کسی بھروسہ کے بندے کو بتا کر جائے کہ وہ اس کے گھر کا چکر لگا لیا کرے یعنی تمام حفاظتی تدابیر سے کام لے اور پھر بھی کوئی حادثہ پیش آجائے تو سمجھ لے کہ یہ اللہ عز وجل کی طرف سے اسکی آزمائش ہے۔

* * *

اللھم صل علی سیدنا محمد وسلم

حدیث-3

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِشْفَعُوْا تُوْجَرُوْا

''جائز سفارش کرو اور اجر پاؤ۔''

(راوی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ۔ کتاب ابنِ عساکر)

جائز سفارش کرنا ایک پسندیدہ امر ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ محمد ﷺ اپنی دنیا کی زندگی میں بھی اپنی امت کے لیے سفارش کی دعا کرتے رہے اور آخرت کی زندگی میں بھی اللہ عزوجل کے حضور سفارش کریں گے۔

محمد ﷺ کی نبوت کا ابتدائی زمانہ تھا۔ قبیلہ قریش کا سردار ابوجہل ایک یتیم کا ولی تھا۔ وہ بچہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے پھرتا تھا اور شکایت کرتا تھا کہ ابوجہل اس کا مال اسے نہیں دیتا۔ کسی نے ازراہ مذاق اس کو محمد ﷺ کے پاس بھیج دیا کہ یہ صاحب تجھے تیرا مال دلوادیں گے۔ وہ جب سرور دوعالم کے پاس اپنی درخواست لے کر پہنچا تو آپ نے اسے بچہ سمجھ کر ٹال نہیں دیا بلکہ اس کا حق دلوانے کے لیے فورا کھڑے ہو گئے۔ سیدھے ابوجہل کے دروازے پر گئے اور اور اس سے کہا، ''بچے کو اس کا حق دو''۔ یہ سنتے ہی ابوجہل اندر گیا اور مال کی تھیلی لا کر اس کے ہاتھ میں تھمادی۔ یہ محمد ﷺ کی شخصیت کا رعب و دبدبہ تھا۔ یہ جائز سفارش کی اعلی مثال ہے۔

روز محشر بھی محمد ﷺ اللہ کے حکم سے ان تمام لوگوں کی سفارش کریں گے جن کی وہ اجازت دے گا۔ اسی طرح علماء، صلحاء اور حافظ قرآن بھی لوگوں کی سفارش کریں گے۔

دنیا کے کاموں میں بھی سفارش جائز ہے۔ اور اس پر اجر کی خوش خبری بھی ہے۔ مثلا کسی بچہ کو اچھے اسکول میں داخلہ کرانا ہے یا کسی کو ملازمت دلانے میں مدد کرنا ہے۔ اور بندہ اس کا مستحق ہے تو اس کی سفارش کر دینی چاہیے۔ اگر کسی کو مالی ضرورت ہے اور آپ خود یہ پوری نہیں کر سکتے تو کسی صاحب مال سے کہہ کر اس کی ضرورت پوری کرادیں تو یہ احسن عمل ہے۔ مگر آج کل سفارش کے ساتھ ''مال'' بھی جڑ گیا ہے جو کہ رشوت کے ضمن میں آجاتا ہے۔۔ اس کا بہت رواج ہو گیا ہے۔ رشوت لینے اور دینے والے پر اللہ کی لعنت کی گئی ہے۔ وہ لوگ جو کمیونٹی میں اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے ان کو سفارشات کرنی چاہئیں۔ لوگ خود ان سے مدد مانگنے جائیں یا انہوں نے لوگوں کی ضرورت کے متعلق سن لیا ہو تو آگے بڑھ کر للہ اور فی اللہ ان کی جائز سفارش کرنی چاہیے۔ تا کہ اجر کے مستحق ہوسکیں۔

عطاء بن ابی رباح جو 97 ھ کے تابعی گذرے ہیں ان کا شمار مکہ کے نامور علماء میں ہوتا ہے۔ وہ خلق خدا سے بہت محبت کرتے تھے۔ ان کی جائز سفارش کا واقعہ پیش خدمت ہے۔ ھشام بن عبدالما لک بادشاہ وقت تھا۔ وہ عطاء بن ابی رباح کی بہت عزت کرتا تھا۔ ایک دن وہ اپنے معمولی لباس میں ملبوس اور معمولی سواری پر سوار ہو کر بادشاہ کے محل جا پہنچے۔ بادشاہ نے ان کو فورا اندر بلوالیا۔ بار بار سلام پیش کیا اور عزت سے اپنے برابر تخت پر بٹھایا۔ دربار میں سناٹا چھا گیا۔ ۔ بولتی زبانیں گنگ ہوگئیں۔ ۔ بادشاہ نے پوچھا۔ اے ابومحمد ! کیسے آنا ہوا؟۔ انہوں نے کہا، ''اے امیرالمومنین مکہ اور مدینہ کے رہنے والے اللہ کے مہمان اور رسول اکرم کے پڑوسی ہیں۔ بیت المال سے ان کے لیے ماہانہ آمدنی مقرر کر دیجئے۔ امیرالمومنین نے فورا حکم جاری کر دیا۔ پھر پوچھا، میرے لائق کوئی اور خدمت۔ کہا۔ ''اہل نجد اور اہل حجاز اسلام کے اصل فرزند ہیں۔ تجویز ہے کہ ان کے صدقات کا بڑا حصہ ان ہی پر تقسیم کر دیجئے''۔ یہ سنتے ہی امیرالمومنین نے کاتب کو حکم نامہ لکھنے کا حکم دیا۔ پھر پوچھا میرے لائق کوئی اور خدمت؟۔ کہا۔ ''ہاں سرحدوں پر دفاعی خدمات انجام دینے والے ملک کی بڑی اہم خدمت انجام دے رہے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان کو بہت کم معاوضہ دیا جاتا ہے۔ اگر یہ بھوک کی وجہ سے ہلاک ہو گئے تو یاد رکھنا سرحدیں غیر محفوظ ہو جائیں گی''۔ یہ سنتے ہی امیرالمومنین نے حکم دیا کہ ان کی راشن کی مقدار میں اضافہ کیا جائے اور ان کو مزید سہولتیں دی جائیں۔ پھر پوچھا میرے لائق کوئی اور خدمت؟ کہا، ''ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہو۔ یاد رکھو تجھے اکیلا پیدا

کیا گیا ہے۔ اکیلے ہی مرو گے اور اکیلے ہی قبر سے اٹھائے جاؤ گے۔ اللہ کی قسم کوئی درباری ساتھ نہ ہوگا"۔ یہ سن کر بادشاہ زار زار رونے لگا اور وہ خود شان بے نیازی کے ساتھ باہر نکل آئے۔ پیچھے پیچھے ملازم سونے کی اشرفیوں سے بھری تھیلی لیے آیا۔ ان کی خدمت میں پیش کی کہ قبول کیجئے۔ انہوں نے فرمایا، "افسوس صد افسوس یہ باتیں ذاتی فائدہ کے لیے نہ تھیں اور قرآن کی یہ آیت پڑھی:

﴿وَ مَا اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ مِنۡ اَجۡرٍ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی اللّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ﴾

(اس پر میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اللہ رب العالمین کے پاس ہے۔)

قوموں کو ایسے ہی بے غرض اور بے لوث افراد کی ضرورت ہوتی ہے اور ہمیں ایسے ہی علماء کی آج بھی شدید ضرورت ہے جو مخلوق خدا کی بھلائی کے لیے جائز سفارش کرنے والے ہوں۔ اور ایسے ہی حکمرانوں کی ضرورت ہے جو علماء حق کی بات سن کر عمل کرنے والے ہوں۔

اللھم صل علی محمد

حدیث-4

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَکْرِمُوا الْخُبْزَ
"روٹی کی عزت کرو۔"

(راوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا - کتاب بیھقی)

رزق کی تقسیم اللہ سبحانہ تعالی کے ہاتھ میں ہے جسے چاہتا ہے فراوانی سے دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ اس حدیث میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہر حال میں روٹی کی عزت کی جائے۔ یہ انسان کی جسمانی صحت کے لیے نہایت ضروری عنصر ہے۔

جہاں رزق کی فراوانی ہے وہاں آج کل روٹی کی بے حرمتی عام نظر آتی ہے۔ شادی بیاہ کی دعوتی تقریبات ہوں یا ریسٹورنٹ میں buffet lunch or dinner ہوں خوب بھر بھر کر ہر ڈش کو ٹرائی کیا جاتا ہے پیٹ تو ایک خاص حد تک ہی بھرا جا سکتا ہے باقی سب trash کر دیا جاتا ہے کہیں تو یہ حال ہے کہ جتنی روٹی کھائی گئی کھالی جو بچی اس سے ہاتھ پونچھے اور پھینک دیا۔ گھروں میں بھی کھانے کے وقت پلیٹ میں کھانا اور روٹی خوب بھر لی اور پھر جتنا چاہا کھایا باقی کوڑے دان میں گیا۔ یا بعض بگڑے ہوئے بچے ایسے ہوتے ہیں کہ ماں نے اگر روٹی کھانے پر اصرار کیا تو روٹی اٹھا کر پھینک دی کہ نہیں کھانا۔ یہ تمام صورتیں رزق کی توہین میں آتی ہیں۔ اللہ کی ناشکری ہے۔ رسول کریم کی نافرمانی میں بھی شمار ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ محمد ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے اپنی غربت و افلاس کی حالت بیان کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، روٹی کی عزت کرو۔ تب سے اس نے اپنی یہ عادت بنالی کہ روٹی کے ذرے جو کھانے کے دوران گرتے ان کو بھی سمیٹ لیتا۔ اگر روٹی سوکھ جاتی تو اسے ضائع نہ کرتا بلکہ پانی میں بھگو کر کھالیا کرتا۔ اگر سواری پر ہوتا اور روٹی صحرا کی ریت پر گر جاتی تو اسے اٹھا کر اور جھاڑ کر استعمال کر لیتا۔ کچھ عرصہ بعد وہ پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور

بتایا کہ اس کی روزی میں اتنی برکت ہوگئی ہے کہ اس نے سونا بھی خرید لیا ہے۔

رزق سے بے برکتی دُور کرنے کے لیے یہ حدیث بہترین پیغامِ عمل دیتی ہے۔ کھانے کی تحقیر کرنے اور اُس کو ضائع کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔ جن کو اللہ نے وافر مقدار میں رزق دیا ہے وہ اس کو ضائع کرتے وقت ذرا اُن ممالک کے بارے میں سوچ لیا کریں جہاں بچے آج بھی بھوکے سوتے ہیں یا بڑی مشکل سے ایک وقت کی روٹی میسر آتی ہے۔

ہماری نانی دادی کے زمانہ میں بچی ہوئی روٹی کو سکھا کر رکھ لیا جاتا اور اس میں دال اور گوشت ڈال کر مزیدار ڈش تیار کرلی جاتی تھی۔

دعوت تقریبات میں جو بے تحاشہ کھانا پلیٹوں میں بھر لیا جاتا ہے پھر آدھا کھا کر باقی بچا ہوا کھانا Trash میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ریسٹورنٹ میں Buffet Lunch ہے یا Dinner، خوب بھر بھر کر پلیٹوں میں کھانا لیا جاتا ہے، پھر سب تو کھایا نہیں جا سکتا، چنانچہ بہت سا کھانا ضائع ہو جاتا ہے۔ all you can eat in one price کے چکر میں لوگ رزق کو خوب استعمال کر کے ضائع کرنے کا سبب بن رہے ہیں۔ یہ سب مثالیں رزق کی ناشکری اور محمد ﷺ کی نافرمانی میں شمار ہوتی ہیں۔

اللھم صل علی سیدنا محمد و سلم

حدیث-5

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلْاَیْمَنُ فَالْاَیْمَنُ

"دایاں ہاتھ لو پھر اس کا دایاں ہاتھ لو۔"

(راوی عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔ کتاب بخاری و مسلم)

دایاں ہاتھ Right hand اسلام میں فوقیت رکھتا ہے۔ جنتیوں کو نامہ اعمال اُن کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اسی طرح روز قیامت اللہ عز وجل کی دائیں جانب جگہ پانے والے مقربین میں سے ہوں گے۔ (سورۃ واقعہ) دائیں ہاتھ سے کھانا کھانے کی تاکید کی گئی ہے اور وضو کرنے میں بھی دائیں جانب کے استعمال کو مقدم رکھا گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

مدینہ منورہ کی مسجد میں محمد ﷺ کی محفل جمی ہے آپ کے گرد صحابہ کرام رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں۔ آپ ﷺ کے سامنے دودھ کا ایک پیالہ لایا جاتا ہے۔ آپ کی دائیں جانب ایک دس سالہ بچہ بیٹھا ہے۔ یہ آپ کے عم زاد عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں اور بائیں جانب ایک بزرگ صحابی بیٹھے ہیں۔ بچہ منتظر ہے کہ پیالہ اس کو دیا جائے گا اور آپ کی خواہش ہے کہ بزرگ صحابی کو فوقیت دیں۔ مگر آپ کا انصاف دیکھئے۔ بچہ سے پوچھتے ہیں۔ "اگر آپ اجازت دیں تو میں ان بزرگ حضرت کو پیالہ دے دوں"۔ بچہ بھی آپ کی محفل کا تربیت یافتہ ہے۔ حق بات کہنے پر اور اپنا حق لینے پر نہ جھجکتا ہے اور نہ ہی شرماتا ہے۔ جواب دیتا ہے۔ "نہیں"

یہ میری خوش قسمتی ہوگی کہ دودھ کا پیالہ آپ کے ہاتھ سے مجھے ملے۔ رسول اللہ ﷺ مسکراتے ہوئے پیالہ اس کو تھما دیتے ہیں۔ بچہ یہ جانتا ہے کہ دوسری صورت میں پیالہ کسی اور کے ہاتھ سے اس کو پہنچتا۔ آپ ﷺ کی محبت دیکھئے۔ نہ اس کو بے ادب سمجھ کر ڈانٹا اور نہ ہی اس کی خواہش کو نظر انداز کیا۔ ان کا بچوں کی عزت کرنا دیکھئے۔ کہ اس کا حق پہچان کر اس سے اجازت طلب کر رہے ہیں۔

دائیں ہاتھ سے شروع کرنے میں جو کام شامل ہیں۔ ان میں وضو کرنا، غسل کرنا، کھانا کھانا، پانی پینا، ہاتھ ملانا، ، کپڑے پہننا، جوتے پہننا، سر منڈانا، تیمّم کرنا، باتھ روم سے باہر آتے وقت دایاں قدم باہر رکھنا، کسی سے کوئی چیز لینا یا کسی کو کوئی چیز دینا وغیرہ ہیں۔

وہ کام جو بائیں ہاتھ سے کرنا مستحب ہیں۔ ناک صاف کرنا، باتھ روم میں داخل ہوتے وقت بایاں قدم رکھنا، مسجد سے باہر نکلنا، موزے، جوتے، کپڑے، شلوار، کرتہ وغیرہ اتارنا، استنجا کرنا اور دوسرے کراہت آمیز کام کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

اللھم صل علی محمد

حدیث-6

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سَیِّدِ القَومِ خَادِمُھُم

''قوم کا سردار اس کا خادم ہوتا ہے۔''

(راوی ابو عبدالرحمان اسلمی۔ کتاب آداب الصحیحہ)

اسلامی معاشرہ میں کوئی فرد کسی جماعت کا سربراہ ہو، مسجد کا امام ہو، اسکول کا پرنسپل ہو، چاہے کسی بھی پوزیشن کو سنبھال رہا ہو اس کو عامۃ المسلمین کا خیر خواہ اور ان کی فلاح کے لیے کام کرنے والا ہونا چاہیے۔ جن لوگوں کی وجہ سے وہ اس عہدہ تک پہنچا ہے اس کو چاہیے کہ انکے دکھ کو اپنا دکھ اور انکی مشکل کو اپنی مشکل سمجھے اور ان کی مشکلات کو دورر کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرے۔ تمام کام ان کے ساتھ ملکر کرے۔

محمد ﷺ کی زندگی اس کی بہترین مثال ہے۔ غزوہ خندق کا موقع ہے اس کا ایک نام غزوہ احزاب بھی ہے۔ مدینہ منورہ کی حفاظتی تدبیر کے طور پر خندق کھودی جارہی ہے۔ اور کھدائی کے کام میں خود دوعالم کے سردار بھی شریک ہیں۔۔ کھانے کی کمی ہے لوگ بھوکے رہ کر کام کررہے ہیں اور رسول خدا بھی بھوکے ہیں۔۔ وقت کم تھا عسرت کا زمانہ تھا۔ ایک صحابی نے بھوک سے بیتاب ہوکر پیٹ پر پتھر باندھ لیا۔

اور رسول اللہ کے سامنے آکر اپنا کرتہ اٹھایا۔ تو نبی کریم نے بھی اپنا کرتہ اُٹھا دیا جس پر بھوک کی وجہ سے دو پتھر بندھے تھے۔ گویا وہ ان سے زیادہ بھوکے تھے۔ آپ ﷺ نہ صرف کام میں شریک تھے بلکہ بھوک میں بھی ان کا ساتھ دے رہے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کا مشہور واقعہ ہے کہ وہ رعایا کا احوال معلوم کرنے کے لیے گلیوں میں گشت کرتے تھے۔ ایک دن مدینہ کے مضافاتی علاقہ میں گشت کررہے تھے۔ تو انہیں ایک خیمہ سے بچوں کے رونے کی آواز آئی۔ قریب جا کر دیکھا کہ ایک عورت چولھا

جلائے کچھ پکا رہی ہے۔ بچے رو رہے ہیں کھانا مانگ رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا اللہ کی بندی ان کو کھانا کیوں نہیں دیتی ہو؟ عورت نے جواب دیا۔ بچوں کو بہلانے کے لیے پتیلی میں پانی ڈال کر چولھے پر رکھ دیا ہے۔۔ تا کہ بچوں کو تسلی ہو جائے کہ کھانا پک رہا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ اس صورت حال پر رونے لگے۔ خود جا کر بیت المال سے کھانے پینے کا سامان اپنی پیٹھ پر ڈھو کر لائے۔ کھانا پکانے میں عورت کی مدد کی۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو بچوں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ اس عورت نے خوش ہو کر کہا، کتنے نیک دل آدمی ہو۔ خلیفہ تجھ کو ہونا چاہیے نہ کہ عمر رضی اللہ عنہ کو۔ انہوں نے کہا عمر رضی اللہ عنہ کو تمہارا حال معلوم نہ ہوگا۔ اس عورت نے جواب دیا اگر اس کو رعایا کا حال معلوم نہیں تو کیوں قوم کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے خاموشی سے اس کڑوی بات کو سنا اور عورت کو ہرگز نہ جتایا کہ وہ خود عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور نہ ہی بعد میں اس گستاخی پر کوئی سزا دی۔

پانچویں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بچے عسرت کی زندگی گزارتے تھے۔ ان کی لڑکیاں پیاز اور روٹی کھا کر گزارہ کرتی تھیں کیونکہ کھانا تو کبھی کبھار ہی پکتا تھا۔ باپ کے سامنے جاتے ہوئے منہ پر دوپٹہ رکھ لیتی تھیں کہ پیاز کی بو کا باپ کو پتہ نہ چلے۔ کسی نے ان کی بیوی سے پوچھا کہ آپ کے گھر میں چولھا کیوں نہیں جلتا؟ انہوں نے جواب دیا، تم سب کے گھروں میں چولھے روشن کرنے کے لیے امیر المومنین نے اپنے گھر کا چولھا ٹھنڈا کر دیا ہے۔

غزوہ بدر کیلئے اسلامی لشکر سوئے منزل رواں دواں ہے۔ سواری کے لیے اونٹ کل 80 ہیں۔ تین یا چار لوگوں کے حصہ میں ایک اونٹ آیا ہے۔ محمد ﷺ کے ساتھ اونٹ کی سواری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابولبابہ رضی اللہ عنہ شریک ہیں۔ فیصلہ یہ ہے کہ باری باری سوار ہوں گے۔ علی رضی اللہ عنہ اور ابولبابہ رضی اللہ عنہ جوان ہیں طاقتور ہیں۔ ان کی عمریں تیس سال کے لگ بھگ ہیں۔ نہیں چاہتے کہ 53 سالہ رسول اللہ پیدل چلیں۔ درخواست کرتے ہیں۔ حضور ہم پیدل چلیں گے اور آپ سواری پر سوار ہوں گے۔ حضور ﷺ جواب دیتے ہیں۔ ”تم دونوں مجھ سے عمر میں چھوٹے ہو تو کیا ہوا مجھ سے طاقتور نہیں ہو۔ اور اجر حاصل کرنے میں میں پیچھے نہیں رہنا چاہتا۔“ چنانچہ سرور کونین اس شان سے بدر کے میدان میں پہنچتے ہیں کہ ہاتھ میں اونٹ کی لگام ہے۔ پیدل ہیں اور اونٹ پر علی رضی اللہ عنہ اور ابولبابہ رضی اللہ عنہ سوار ہیں۔ دو عالم کے سردار ہیں مگر بڑائی کی شان کا اظہار نہیں ہے۔ ہمارے لیڈران کرام کی طرح عوام کے راستے بند نہیں کروائے گئے ہیں کہ قوم کے لیڈر کی سواری گزر رہی ہے۔ کوئی حفاظتی دستہ ساتھ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی armoured car ہے۔

سلف کی ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔ جن کو کتابوں میں پڑھا جا سکتا ہے۔ ہم کو چاہیے کہ اپنے اندر خدمت کا وہی جذبہ پیدا کریں۔ اللہ کے بندوں کی خدمت کرنے کو اجر حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھیں۔ نہ کہ حاکمیت اور بڑائی کے اظہار کا ذریعہ بنائیں۔ خاص طور پر وہ جو position holders ہیں۔ کسی تنظیم میں، کسی ادارہ میں، کسی کمیونٹی میں یا کسی ملک کے سربراہ ہیں۔ وہ اپنی کبریائی کا ڈنکا ہی نہ بجاتے رہیں بلکہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور اپنے ساتھیوں کا خیال رکھیں۔ ان کے کاموں میں آسانیاں پیدا کریں۔ خوش اخلاقی کو اپنا شعار بنائیں۔ تنقید سننا سیکھیں۔ اور کام کو خوش اسلوبی سے کریں۔ رشوت کی لعنت سے بچیں۔ اسی طرح قوم کے لوگوں کی زندگی بہتر ہو سکتی ہے ورنہ صرف لیڈروں ہی کی زندگی بہتر سے بہتر ہوتی چلی جاتی ہے۔

اللّٰھم صلّ علیٰ سیدنا محمد وسلم

حدیث-7

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ

"جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔"

(راوی عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ کتاب ترمذی)

اس حدیث میں جماعت کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ جماعت کے ساتھ مل کر رہیں۔ اسلام میں تنہا رہ کر زندگی بسر کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔ جماعت کے ساتھ جڑ کر رہنے کی وجہ ایک دوسری حدیث میں یوں بیان کی گئی ہے۔ محمد ﷺ نے فرمایا۔ "جس طرح بکریوں کا دشمن بھیڑیا ہے اور اپنے ریوڑ سے الگ ہوجانے والی بکری کو باآسانی شکار کرلیتا ہے۔ اسی طرح شیطان انسان کے لیے بھیڑیا ہے۔ جماعت سے الگ رہنے والے کو آسانی سے شکار کرلیتا ہے"۔ (معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ۔ مسند احمد)۔

الجماعۃ سے مراد وہ حالت ہے جہاں کسی ملک میں مسلمان غالب ہوں، اقتدار ان کے ہاتھ میں ہو اور اہل ایمان ایک امیر کی قیادت پر متفق ہوں۔ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ دور حاضر میں ایسی کوئی اسلامی مملکت موجود نہیں ہے۔ اس لیے ایک مسلمان جس ملک میں بھی رہتا ہو، مسلم ملک ہو یا غیر مسلم حکومت والا ملک ہو، وہاں اس کے خیال میں جو کوئی local جماعت پورے دین کو لے کر چل رہی ہو اس کو اس کے ساتھ جڑ جانا چاہیے۔ اس کو join کرلینا چاہیے۔ کیونکہ اس طرح فرمان محمدی کے مطابق دین پر چلنا آسان ہوجاتا ہے۔ باہم جڑے رہنے سے ایک دوسرے کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اگر کہیں جماعت میسر نہ آئے تو مسجد سے جڑ جائے۔ ہر روز مسجد میں آنے والے مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر دینی سمجھ پیدا کرنے والی مختلف activities ترتیب دی جائیں۔ نوجوانوں (youth) کو مسجد میں آنے کے لیے encourage کیا جائے۔ ان کیلئے کھیلوں کے competition

کے ساتھ ساتھ اسلامی لیکچر دینے والے نوجوانوں کو مدعو کیا جائے۔ تاکہ سب ایک دوسرے کی صحبت صالحہ سے مستفید ہوں۔

اسلام کی نظر میں تین لوگ اکٹھے ہوں تو وہ جماعت بن جاتی ہے۔

محمد ﷺ کا حکم ہے کہ اگر تین مسلمان سفر میں بھی ہوں تو ایک کو اپنا امیر president چن لیں۔ اس لیے کہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالی کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ اگر کہیں کوئی جماعت نہ ہو اور مسجد بھی نہ ہو اور چند مسلمان گھرانے موجود ہوں تو ان کو چاہیے کہ وہ مل کر کوئی جگہ مسجد کے لیے مختص کرلیں۔ وہ جگہ کوئی کرایہ کا اپارٹمنٹ بھی ہوسکتا ہے اور کسی شاپنگ ایریا میں کوئی دکان بھی۔ جب اس کے اخراجات سب مل کر اٹھاتے ہیں اور پانچ وقت مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آتے ہیں تو وہ الجماعت بن جاتے ہیں۔ ان کے لیے خوش خبری ہے کہ اس پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔

جب ہم نبی اکرم ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ مکہ کے ابتدائی دور میں دشمن سے بچنے کے لیے اسلام کی تبلیغ خفیہ کی جاتی تھی اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا گھر اس کام کے لیے مختص کرلیا گیا تھا۔ مسلمان وہاں جمع ہوتے، آپس میں ملاقات کرتے، قرآن سیکھتے اور نماز پڑھا کرتے۔ گویا وہ ایک جماعت بن گئے تھے۔

جب ہم جماعت بن کر رہتے ہیں تو فائدوں کے ساتھ ساتھ کچھ نقصان بھی اٹھانے پڑتے ہیں۔ کچھ لوگ جماعت کے کاموں میں اپنا وقت خوب لگاتے ہیں۔ پیسہ بھی لگاتے ہیں۔ پھر یہ چاہتے ہیں کہ ان کی رائے کو فوقیت دی جائے۔ اگرچہ دوسرے اسے غلط سمجھتے ہوں۔ شیطان یہاں اپنا کام کرتا ہے ان کے دماغ میں یہ بات ڈالتا ہے کہ وہ بڑی چیز ہوگئے ہیں اور جماعت کے اثاثے ان کی رائے کے مطابق استعمال ہونے چاہئیں۔ ایسے لوگوں کا جب محاسبہ ہوتا ہے تو اپنی اہانت سمجھ کر جماعت چھوڑنے کی دھمکی دیتے ہیں اور الگ بھی ہوجاتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنی ذاتی حیثیت میں کام کرتے ہیں تو ان کو اپنی حقیقت کا اندازہ ہوجاتا ہے، وہ اکثر کامیاب نہیں ہوتے اور رسول اللہ ﷺ کی بات سچ ثابت ہوجاتی ہے

کہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ ایسا صرف اسلامی تنظیموں ہی میں نہیں ہوتا بلکہ غیر اسلامی تنظیمیں بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ سب مسلمان جماعت بن کر رہیں اور شیطان کے حربوں سے ہوشیار رہیں۔

اللھم صل علی محمد

حدیث-8

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَ ذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ

”تم میں سے جو شخص برائی دیکھے وہ اسے اپنے ہاتھ (یعنی طاقت) سے بدل دے اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے منع کرے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔“

(راوی ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ۔ کتاب مسلم)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی اس کام پر بہت زور دیا ہے۔ اس عنوان کے تحت بہت سی آیتیں مل جائیں گی۔ محمد ﷺ کی ذمہ داری اور مشن بھی یہ ہی تھا کہ بھلائیوں کو پھیلائیں اور برائیوں سے روکیں۔ یہ کام جماعت میں شامل ہو کر آسانی سے کیا جا سکتا ہے کیونکہ بڑا بھاری کام ہے سارے مسلمان انفرادی طور پر اس کے مکلّف ہیں۔ صرف علماء، خطباء اور واعظین ہی اس کام کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ہر مسلمان کو اپنے علم، اپنی ہمت اور استطاعت کے مطابق یہ فریضہ انجام دینا ہے۔ کوئی شخص قبول کرے یا نہ کرے بیان کرنے والے کا فرض ادا ہو جاتا ہے ہم جس دور میں رہ رہے ہیں اس میں برائی (منکر) کو برائی ہی نہیں سمجھا جاتا۔ برائی اتنی خوشنما بنا کر پیش کی جا رہی ہے کہ اسے برا کہنے والا برا بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنسی بے راہ روی Homosexuality جیسے برے کاموں کو شخصی آزادی کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو شادیوں کی تقریب میں شراب کا پیش کیا جانا۔ لڑکے لڑکیوں کا خفیہ نکاح اور طلاقیں سب آزادی کے شاخسانے ہیں۔ پھر جو کام مذہبی سمجھ کر کیے جاتے ہیں اس میں عورتوں کا اپنی الگ مسجد بنانا اس میں خود اذان دینا اور اس جگہ کا نام مسجد رکھنا۔ یا

پھر توریت پڑھنے کے لیے اسرائیل کا سفر کرنا مفت موقعہ مل رہا ہے تو کیوں نہ جائیں۔ ان کاموں کو منکرات سمجھا ہی نہیں جاتا۔ ہمارے پاس رسول اکرم ﷺ کا اسوہ ہے آپ نے آ کر دین مکمل کر دیا سب سمجھا دیا۔ اگر کچھ بھی دین یا دنیا کے نام پر غلط ہو رہا ہے تو وہ منکر ہے اور اس کو اپنی حیثیت کے مطابق روکنا فرض ہے۔ صرف خود اس سے الگ رہنا کافی نہیں ہے۔ محمد ﷺ نے فرمایا ''اللہ کی قسم! تم بھلائی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو، ورنہ تم پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔ پھر تم اسے پکارو گے اور تمہاری دعائیں قبول نہ ہوں گی۔''

(حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، جامع ترمذی)

جب زمین پر گناہ کیے جا رہے ہوں اور جو شخص وہاں موجود ہو وہ دل میں اس گناہ کو برا سمجھے۔ تو وہ ایسے ہے گویا وہاں موجود نہیں۔ اگر اس نے موجود ہوتے ہوئے اسے گناہ نہ سمجھا تو وہ ایسے ہے جیسے اس میں شریک ہے۔ (عرس بن عمیرہ رضی اللہ عنہ، سنن ابی داود)

اگر اس برائی کی خبر بہت سارے لوگوں کو ہو تو کچھ لوگ اٹھ کر مل کر اسے روکنے کی کوشش کر لیں تو یہ فرض کفایہ ہے اور کوئی برائی زیادہ لوگوں کو پتا نہیں صرف چند لوگوں کو پتا ہے تو یہ پھر ان افراد پر فرض عین بن جاتا ہے۔ اگر ہم ایسے ماحول میں رہتے ہوں جہاں اس برائی کے خلاف آواز اٹھانا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے تو کم از کم دل میں تو ضرور ہی برا جانیں اور اپنے بچوں عزیز و اقارب اور دوستوں کو اس سے آگاہ کر دیں۔

* * *

اللھم صل علی سیدنا محمد وسلم

حدیث-9

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِنَّ مَا بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَةِ لَاَیَّامًا یَنْزِلُ فِیْهَا الْجَهْلُ وَ یُرْفَعُ فِیْهَا الْعِلْمُ وَ یَكْثُرُ فِیْهَا الْهَرْجُ وَ الْهَرْجُ الْقَتْلُ

''قیامت کے قریب کچھ ایسے دن آئیں گے جن میں جہالت اتر آئے گی اور دین کا علم اٹھ جائے گا اور ہرج یعنی خون ریزی بہت ہو گی۔''

(راوی ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ۔ کتاب بخاری)

اس حدیث میں صادق المصدوق نے جو فرمایا ہے وہ آج کے زمانہ پر پورا اترتا ہے۔ انٹرنیٹ کے آنے سے بظاہر علم بڑھ گیا ہے ہر طرح کے علم کے دریا بہہ رہے ہیں۔ سائنسی، ادبی (Social Scinces)، معاشرتی، فنی (Technical)، طب کا علم، جغرافیہ کا علم سب خوب فروغ پا رہے ہیں۔ آج مجھے اور میرے بچوں کو یہ علم ہے کہ ملکوں کے Capital کون کون سے ہیں۔ مگر نبیوں کے کیا نام ہیں اور صحابہ و صحابیات کے کیا نام ہیں وہ ہم نہیں جانتے۔ یہ معلوم ہے کہ کون سے جانور معدوم ہو رہے ہیں اور ان کی نسلوں کو باقی رکھنے کا اہتمام کیسے کیا جائے۔ سمندر میں مچھلیوں کی Species اب کتنی ہو گئی ہیں، فضا میں خلائی جہاز چھوڑنے میں کیا فائدے ہیں اور Satellite سے کیا کیا کام لیے جا رہے ہیں۔ ایٹمی ترقی نے ایٹم بم اور میزائل بنا کر دنیا میں دہشت گردی اور خون ریزی کا بازار تو خوب گرم رکھا ہے مگر وہ علم ہمارے پاس نہیں جس سے مالک حقیقی کو پہچانا جاتا ہے اور اس پر ایمان رکھا جاتا ہے۔ معاشرہ Society میں اعلیٰ اخلاقی اقدار Moral values کا منبع کیا ہے، کہاں سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ خاندان Family کو جوڑنے میں کیا کیا عوامل درکار ہیں۔ مضبوط خاندان سے ایک قوم ترقی کرتی ہے۔ محبت، ایثار، قربانی، بے نفسی، ہمدردی و خیر خواہی کے

سارے سبق کہاں سے ملتے ہیں اور ان کو پڑھانے والے کون لوگ ہیں۔ امت میں کوئی ایسا عالم موجود نہیں جس کی سب اطاعت کریں۔ امت میں تفرقہ پڑا ہوا ہے، ملکوں کی قیادت نااہل لوگ کررہے ہیں، ورلڈ آرڈر کے قوانین اپنانے پر مجبور کیا جارہا ہے اور دنیا میں ہوس ملک گیری بڑھ گئی ہے جس کی وجہ سے قتل عام بھی بڑھ گیا ہے۔ ایک ہی ملک میں لوگ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کررہے ہیں اور چھوٹے چھوٹے مقاصد پر مسلمان مسلمان کا خون بہا رہا ہے جبکہ مسلمان کا مسلمان کو بلاوجہ قتل کرنا محمد ﷺ نے کفر سے تعبیر کیا ہے۔

ان حالات میں حساس دل خون کے آنسو روتا ہے اور Depression مایوسی ہمیں گھیرنے لگتی ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ مذہب اسلام کو مضبوطی سے پکڑ لیا جائے۔ اسی میں سکون ہے اسی میں ہمارے سارے مسائل کا حل ہے۔ ہم میں سے ہر فرد سے جو بھلائی جو خیر ممکن ہے اس کو ضرور کرتے رہنا چاہیے۔ لوگوں کو اس کی طرف بلاتے رہنا چاہے۔ ہر ایک کے مختلف حالات ہوتے ہیں مختلف پیشے Professions ہوتے ہیں۔ ان میں کام کرتے ہوئے اسلامی اقدار کو فروغ دیتا رہے اور نتائج اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ ہمیں تو بس خیر کا کام کرنا ہے جس کو توفیق ہوتی ہے وہ قبول کرتا ہے۔ ہم کو اپنے رب اپنے مالک حقیقی کا دامن مضبوطی سے تھام لینا چاہیے۔ لوگوں نے رب کو ماننا چھوڑ دیا ہے۔ ہم سب کو اسی کے پاس واپس جانا ہے اور وہ زندگی نہ ختم ہونے والی ہے اور یہ زندگی تو بس پانی کا بلبلہ ہے۔ اب ختم ہوئی کہ تب ختم ہوئی۔

حدیث-10

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وَاِذَا اَتَاکُمْ کَرِیْمُ قَوْمٍ فَاَکْرِمُوْہُ

''جب تمہارے پاس کسی قوم کا کوئی معزز آدمی آئے تو اس کی عزت کرو۔''

(راوی عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ کتاب صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اس حدیث میں یہ تعلیم دی گئی ہے۔ کہ کسی فرد کا اپنی قوم میں کوئی مرتبہ ہو۔ وزیر ہو سفیر ہو سردار ہو president ہو عالم ہو کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو اور وہ مسلمان سے ملے تو وہ زیادہ تکریم کے لائق ہے کیونکہ اسکی قوم میں اس کی عزت کی جاتی ہے۔ مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اس کے ساتھ ایک معمول کا برتاؤ کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک اصول اس سے نکلتا ہے کہ گھر کے بزرگ، باپ نانا اور دادا جان بھی عزت کیے جانے کے لائق ہیں۔ اسکول کے اساتذہ کرام، مسجد کے امام، کمیونٹی کے لیڈر، کسی دینی یا سیاسی جماعت کے position holder بھی عزت و تکریم کے لائق سمجھے جانے چاہییں۔

محمد ﷺ کے پاس ایک بوڑھی عورت آئی تو آپ نے اس کو بٹھانے کے لیے اپنی چادر بچھادی اور اس کو عزت سے بٹھایا۔ پھر بتایا کہ وہ آپ ﷺ کی رضاعی بہن شیما ہیں۔ اگرچہ حقیقی عزت تو اللہ، اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہی رکھی گئی ہے۔ مگر دنیا میں دوسرے لوگوں سے بھی عزت کا برتاؤ کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ ادب کا تقاضہ ہے اور انسان کسی کا ادب کرتا ہے تو اس کا بھی ادب کیا جاتا ہے۔ ادب انسان کے اندر محبت کو جنم دیتا ہے۔ اور محبت کے استعمال سے دنیا کے تمام مشکل کام آسان ہوجاتے ہیں۔

حدیث-11

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ

"نادم ہونا ہی توبہ ہے۔"

(راوی عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔ کتاب مسند احمد)

توبہ استغفار کے الفاظ بہت بولے اور سنے جاتے ہیں۔ اس کی اصل روح ندامت و پشیمانی کا احساس ہے۔ ہمارے ذہن برے خیالات کی آماجگاہ بنے رہتے ہیں۔ ہم سے جانے انجانے گناہ بھی سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی زبان سے، تو کبھی آنکھوں سے تو کبھی ہاتھ سے تو کبھی پاؤں سے۔ کبھی حقوق العباد میں کوتاہی کا گناہ سرزد ہوجاتا ہے تو کبھی حقوق اللہ کی حق تلفی کرنے سے گناہگار ہوجاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان گناہوں پر انسان اگر ندامت محسوس کرتا ہے اور اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں تو یہ اس کے اندر ایمان کی نشانی ہے۔ جب انسان کا ایمان کمتر درجہ پر ہوتا ہے تو اس سے گناہ سرزد ہوتا ہے۔

بزرگوں نے توبہ کرنے کے پانچ درجے بتائے ہیں۔

- نیت خالص اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی ہو۔
- اپنے گناہ پر احساس ندامت ہو۔
- زبان سے توبہ کے الفاظ ادا کئے جائیں۔
- آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم ہو۔
- اگر گناہ کا اثر دوسرے لوگوں پر پڑا ہو تو ان سے معافی مانگی جائے۔

گناہ ہو جانے کے بعد جیسے ہی احساس ہو، فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور توبہ واستغفار کریں۔ جب ایک گناہ مثلاً drinking یعنی شراب پینے کا ہوا تو شیطان سمجھتا ہے کہ اب تو تم گناہ گار ہو ہی گئے ہو تو دوسرا گناہ بھی کر لو adultery وغیرہ۔ جب زنا کر لیا ہے تو چوری بھی کر لو، اللہ تعالیٰ تو اب معاف نہیں کرے گا۔

یاد رکھیں کبھی بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، "لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ" (اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ سورہ الزمر آیت ۵۳) یاد رکھئے تمام گناہ توبہ سے معاف کر دیئے جاتے ہیں اور نامہ اعمال میں سے برائیاں delete کر دی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ شرک بھی معاف کر دیا جاتا ہے۔

گناہ پر ندامت کا احساس گناہ کو مٹاتا ہے اور اس پر فخر کا احساس اس کو بڑھاتا ہے۔ گناہ کا ذکر بار بار نہ کیا جائے۔ جیسے کوئی خاتون یہ کہے کہ پہلے آپ دیکھتیں ہم تو بڑے ماڈرن تھے، بالوں کے نئے سے نئے سٹائل اور کپڑے جدید فیشن کے مطابق ہوتے، اتنی حسین لگتی تھی کہ کوئی مقابلہ نہ تھا۔ اب ایسے ہو گئے ہیں تو یہ اللہ کی نافرمانی پر فخر کا احساس ہے۔ لیکن کوئی نامور singer یوسف اسلام کی طرح اگر یہ کہے کہ میں تو دور جاہلیت میں تھا۔ ہر بری عادت میں ملوث تھا۔ اپنی پچھلی زندگی پر شرمندہ رہتا ہوں۔ تو یہ ندامت ہے جو پاکیزگی کا احساس بڑھاتی ہے۔ سورہ نوح آیت ۱۲، ۱۳، ۱۴ میں ارشاد ربانی ہے:

﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا....﴾

"اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو۔ وہ بڑا بخشنے والا ہے۔"

توبہ کرنے کے بڑے فوائد ہیں:

1. اللہ تعالیٰ دنیا میں نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔
2. توبہ کرنے والے جنت میں جائیں گے۔
3. اگر کسی کا گناہ اللہ عزوجل نے دنیا میں ظاہر نہیں کیا تو اس کی رحمت (Mercy) کی وجہ سے امید ہے کہ قیامت میں بھی اس کا پردہ رکھا جائے گا۔

توبہ کرنے کے لیے بندہ اور اللہ کے درمیان واسطہ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ صرف اخلاص قلب لے کر اللہ کے حضور جھک جائے۔ وہ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرتا ہے۔ نہ کسی کو بتایا اور نہ کسی کو پتا چلا۔ سبحان اللہ کیا direct dialing ہے۔

حدیث-12

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ

''اپنے درمیان سلام کو پھیلاؤ۔''

(راوی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ کتاب مسلم)

''**سلام**'' اسلام کا شعار ہے۔ یہ مسلمانوں کی ملاقات greetings کا بہترین طریقہ ہے۔ اس میں سلامتی کی دعا دی جاتی ہے۔ سلام کرنے والا یہ دعا دیتا ہے کہ تمہاری جان، مال اور آبرو سلامت رہے۔ ''**السلام علیکم**'' کے لغوی معنی ہیں تم پر سلامتی ہو۔ اس میں جمع کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے چاہے مخاطب ایک فرد ہو یا ایک سے زیادہ ہوں۔ جب قبرستان کی زیارت جاتی ہے تو مُردوں کے لیے'' **السلام علیک**'' بولا جاتا ہے۔ یہ بات نبی ﷺ نے ہمیں سکھائی ہے۔

جس نے سلام کرنے میں پہل کی وہ اللہ سے نزدیک تر ہوجاتا ہے۔ چاہے عام ملاقات کا موقعہ ہو یا جھگڑا ختم کرنا ہو۔ جو'' **السلام علیکم**'' کہتا ہے وہ دس نیکیاں کما لیتا ہے، جو **السلام علیکم ورحمۃ اللہ** کہتا ہے وہ بیس نیکیاں کماتا ہے اور جو **السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ** کہتا ہے وہ تیس نیکیاں کما لیتا ہے۔ یہ نیکیاں کمانے کا کتنا آسان طریقہ ہے۔ اس سے نامہ اعمال کو خوب وزنی کیا جاسکتا ہے اور کچھ خرچ بھی نہیں کرنا پڑتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب آپس میں ملتے تو سلام کرتے ایک وقفہ آجاتا دوبارہ ملتے تو سلام کرتے حتی کہ مسجد میں چلتے ہوئے راہ میں کوئی ستون آجاتا تو چہرہ دیکھنے پر دوبارہ سلام کرتے۔ وہ خاص اس مقصد کے لیے بازار جاتے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو سلام کرنے کی کوشش کرتے۔ اس طرح سلام کرنے کی عادت بھی بن جاتی ہے اور نیکیاں بھی بڑھتی رہتی ہیں۔

سلام ہر مسلمان کو کیا جاسکتا ہے۔ اور ہر جگہ کیا جاسکتا ہے۔ قیام میں ہوں یا سفر میں، ائیرپورٹ پر ہیں یا ریلوے اسٹیشن پر، بس کا اسٹاپ ہو یا subway۔ گروسری اسٹور ہو یا شاپنگ مال۔ ہر موقع سے فائدہ اٹھا کر سلام میں پہل کی جاسکتی ہے۔ مسجد میں ہوں یا اسکول کی میٹنگ میں سلام کرنے کے موقعہ سے فائدہ ضرور اٹھایا جائے۔

مسلمان عورتیں حجاب اور سکارف کی وجہ سے پہچانی جاتی ہیں۔ آگے بڑھ کر وہ سلام کریں اور ان کو بھی سلام کیا جائے۔ پچھلے دنوں مجھے نیویارک جانے کا اتفاق ہوا۔ مجھے ایسی عورتوں نے سلام کیا جو نہ صرف بے حجاب تھیں بلکہ لباس سے بھی امریکی نظر آتی تھیں۔ مجھے ان کے سلام کرنے سے خاص خوشی ہوئی۔ جو حجاب میں تھیں ان کو میں نے سلام کیا تو انہوں نے بڑی عجیب نظروں سے مجھے دیکھا اور اجنبی سمجھ کر منہ پھیر لیا۔ گویا میں ان سے کچھ طلب کرنا چاہتی ہوں۔ میرے خیال میں یہ لوگوں کی سلام کرنے کی نیکیوں سے ناواقفیت ہے۔ گھر میں سلام کر کے داخل ہونا اور گھر سے باہر جاتے ہوئے سلام کرنا سنت رسول ﷺ ہے۔ محمد ﷺ نے فرمایا ہے،'' سلام کرنے سے محبت بڑھتی ہے۔ بچوں کو چاہیے کہ بڑوں کو سلام کریں مگر اگر بڑے پہلے سلام کرلیں تو وہ نیکیوں میں سبقت کر جائیں گے۔ اور ایسا کرنے سے بچوں میں باعزت ہونے کا احساس بھی پیدا ہوتا ہے۔۔ لڑکیاں لڑکیوں کو سلام کریں اور لڑکے لڑکوں کو کریں۔ مگر لڑکیاں بھی لڑکوں کو سلام کرسکتی ہیں۔ بس لہجہ صحیح اور نیت صاف رکھنے کی ضرورت ہے۔ ''**السلام علیکم**'' کا لفظ واضح اور صاف ادا کرنا چاہیے۔ بے خبری اور لاعلمی میں کبھی ''السام علیکم'' نہ کہا جائے کیونکہ اس کے معنی ہیں تم کو موت آجائے۔

سلام کا جواب سلام ہے یا تو اتنا ہی جواب دو یا اس سے بہتر جواب دو۔ یہ حکم قرآن میں آیا ہے۔ آج کل سر کے اشارے سے یا ہاتھ کے اشارے سے جواب دینے کا رواج ہوگیا ہے وہ درست نہیں۔ صبح کے وقت good morning اور شام کے وقت good evening کہنا کافروں سے ملتے وقت کہنا تو درست ہے مگر ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے ملتے وقت یہ کہنا زیب نہیں دیتا۔ عرب لوگوں کا صباح النور اور مساء النور یا صباح الخیر اور مساء الخیر جیسے الفاظ سلام کی جگہ استعمال کرنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ یا پھر انگلش زبان میں hi hello, whats up وغیرہ جیسے الفاظ بھی بہت رواج پا گئے ہیں۔ ہمیں اس کا احساس بھی نہیں ہے کہ ہم نے اپنی اتنی اچھی دعا کو کیسے نامکمل اور بغیر دعا کے الفاظ سے replace کر دیا ہے۔

کسی کے گھر ملاقات کے لیے جائیں تو سلام کریں اور واپس آئیں تو بھی سلام کریں۔ اللہ حافظ ایک اضافی دعا ہے۔ کسی مجلس میں جائیں تو فرد واحد کا نام لے کر صرف اسے سلام نہ کریں۔ بلکہ ایک مرتبہ السلام علیکم کہنا پوری مجلس کے لیے کافی ہوتا ہے۔ سعودی عرب کے شہر جدہ میں رہنے کا موقعہ ملا۔ وہاں بیماری کی صورت میں اسپتال جانا پڑا تو عورتوں کے waiting room میں بیٹھی تھی۔ یہ بات نوٹ کی کہ ہر آنے والی عورت السلام علیکم کہہ کر بیٹھتی تھی اور کئی جواب بھی سننے میں آتے تھے۔ اس سے ایک عجیب اپنائیت کا احساس پیدا ہوا۔

جنت میں بھی ایک دوسرے کو جنتی سلام ہی کریں گے۔ اللہ سبحانہ تعالی کی طرف سے بھی سلام بھیجا جائے گا۔ اس سنت کو revive کرنے اور پھیلانے کی ضرورت ہے۔ اس کو ہم روز بروز ترک کرتے جا رہے ہیں۔ محمد ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جب وہ چھوٹے تھے فرمایا، ”بیٹے جب تو اپنے گھر میں داخل ہو تو سلام کر۔ یہ تیرے اور تیرے گھر والوں کے لیے برکت کا باعث ہوگا۔“ (ترمذی)

محمد ﷺ نے یہ بھی فرمایا، ”تمہارے باہمی سلام کی تکمیل مصافحہ shake hands سے ہوتی ہے۔ اور مصافحہ کرنے سے دل کا بغض دور ہوتا ہے۔“

اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وسلم

حدیث-13

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَعْلِنُوْا النِّکَاحَ

”نکاح علانیہ کرو۔“

(راوی عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ - کتاب مسند احمد)

یہ حدیث ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ نکاح خفیہ طور پر یعنی چھپ کر نہ کئے جائیں۔ ’نکاح‘ سے ایک خاندان کی بنیاد پڑتی ہے۔ اس کے انعقاد کے وقت دو عاقل بالغ مرد بطور گواہ ضروری ہیں۔ خطبہ نکاح سنت رسول ہے۔ اس کے رجسٹریشن کے لیے قاضی کا ہونا بھی ضروری ہے۔ پھر نکاح کی اجازت کے لیے دولھا اور دلہن کے والدین یا سرپرست بھی ہونا چاہئیں۔ نکاح میں ’مہر‘ ایک ضروری جزو ہے جو فریقین کی باہمی رضامندی سے طے کیا جانا چاہیے۔ اس کا ادا کرنا فرض ہے۔ یہ اپنی حیثیت کے مطابق ہونا چاہیے۔ اگر حیثیت زیادہ کی ہے تو مہر میں کوئی مکان، باغ، قطعہ زمین، جائداد، شیئرز، سونے چاندی کے زیورات وغیرہ بھی ہو سکتے ہیں۔ جس ملک میں دولھا دلہن رہ رہے ہیں وہاں کے مطابق موجودہ کرنسی ڈالرز، پاؤنڈز، درہم، ریال اور روپیہ وغیرہ کی reasonable amount مہر میں دی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک unique example صحابیہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کی ملتی ہے جنہوں نے ایک نادار مرد کے ساتھ شادی کی تو مہر قرآن کی چند سورتوں کو رکھا گیا جو ان کے شوہر کو انہیں سکھانی تھیں۔ جہیز کا کوئی تصور اسلام میں نہیں ہے۔ لڑکی کے والدین اپنی بیٹی کو تحفہ کے طور پر جو چاہیں دیں۔ نہ ہی ان پر نکاح کے وقت کوئی دعوت واجب ہے۔ مسلمانوں میں جہیز کے نام پر لڑکوں کی طرف سے demand جیسے کار، بنگلہ اور گھر وغیرہ کی رسم ہندو پاک میں ہندو کلچر کی پیداوار ہے۔

یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ اگر لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کے ساتھ رہنے پر راضی ہیں تو

نکاح کی ضرورت نہیں۔ وہ تو بس خود بخود ہو گیا۔ ایسا تو امریکہ یا دوسرے مغربی ممالک میں رہنے والے عام لوگوں کا طریقہ بن گیا ہے۔ کہ مرد و عورت اگر چھ مہینے ساتھ رہ لیے تو common law کے تحت ان کو میاں بیوی مان لیا جاتا ہے۔ اسی طرح جو شادیاں کورٹ میں رجسٹر کرنے کے لیے کی جاتی ہیں وہ اسٹیٹ کی طرف سے قانونی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے بعد یا اس سے پہلے اسلامی طریقہ پر نکاح کرنا ضروری ہے۔

اسلام میں نکاح کرنے کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ انسان کی فطری ضرورتوں کو پورا کرنے سے روکا نہیں گیا بلکہ ان کو ادا کرنے کے لیے بہترین طریقہ کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔

محمد ﷺ نے فرمایا، 'نکاح میری سنت ہے جو اس سے اعراض کرے وہ مجھ میں سے نہیں ہے'

محمد ﷺ نے فرمایا، 'اے نوجوانو! تم میں سے جو کوئی نکاح کرنے کی استطاعت رکھتا ہے۔ اسے نکاح کر لینا چاہیے۔ کیونکہ یہ نگاہ کو نیچا رکھتا ہے۔ اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے۔ اور جو نکاح کی ذمہ داری اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اسے چاہیے کہ شہوت کا زور توڑنے کے لیے روزے رکھے (عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔ بخاری و مسلم)۔ نکاح کے اعلان کے لیے دعوت ولیمہ بہترین طریقہ ہے۔ جس میں انسان اپنی حیثیت کے مطابق لوگوں کو مدعو کرے۔ محمد ﷺ نے جو نکاح کئے اس میں ایسے بھی تھے جو سادگی سے کئے گئے اور جب آپ کے پاس مال کی وسعت ہوئی تو ایسا نکاح بھی کیا گیا جس میں پورے شہر مدینہ کے لوگوں کو مدعو کیا گیا۔ نبی اکرم ﷺ ہمارے لیے بہترین مثال چھوڑ گئے۔

خفیہ نکاح کے بڑے نقصانات ہوتے ہیں۔ ایسے نکاح میں چونکہ والدین کی اجازت شامل نہیں ہوتی تو اولاد ان کی نافرمانی کے گناہ عظیم کے مرتکب ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ خفیہ نکاح مرد و عورت کو نکاح کی ذمہ داریوں سے فرار کی راہ سکھاتا ہے۔ جذبات کی رو میں بہہ کر جلد ہی خفیہ نکاح کر لیتے ہیں۔ کچھ عرصہ گزرنے پر دونوں کی سوچ بدل جاتی ہے۔ لڑکا سوچتا

ہے اگر اس سے بہتر لڑکی مل گئی تو نکاح توڑ دوں گا کسی کو پتہ بھی نہ چلے گا۔ اور لڑکی ایسے سوچنے لگتی ہے یہ تو اتنا اچھا نہیں ہے مجھے اس سے بہتر لڑکا مل سکتا ہے اور نکاح کے بارے میں تو کوئی جانتا ہی نہیں۔ پھر cellphone texting اور facebook یہ کام آسان بنا دیتے ہیں۔ اس طرح دھوکہ دہی اور فراڈ جیسی رذیل اخلاقی صفت کو فروغ ہوتا ہے۔ لوگوں کے سامنے اجنبی ہیں مگر آپس میں میاں بیوی کی طرح رہ رہے ہیں۔ بچے کی پیدائش کو روکنے کی تدابیر کی جاتی ہیں۔ اگر غلطی سے لڑکی حاملہ ہو گئی تو planned parenthood clinic سے رجوع کر کے اس سے چھٹکارا پالیا جاتا ہے۔ اگر اس دوران بھانڈا پھوٹ گیا تو رسوائی الگ حصہ میں آتی ہے۔

محمد ﷺ ایک مرتبہ اپنی بیوی کے ساتھ رات میں جا رہے تھے تو راستے میں صحابہ مل گئے۔ آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا میرے ساتھ تمہاری ماں صفیہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول آپ کو اس وضاحت کی ضرورت نہ تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ کہیں تم کو کچھ اور خیال نہ آجاتا۔ محمد ﷺ کی تعلیم ہمیں یہ بات سکھاتی ہے کہ نکاح اعلانیہ کئے جائیں اور بیوی ساتھ جا رہی ہو تب بھی اعلان کر دیا جائے۔

اللھم صل علی سیدنا محمد وسلم

حدیث-14

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلْحَیَاءُ خَیْرٌ کُلُّهٗ

محمد ﷺ نے فرمایا: ”حیا مکمل طور پر خیر ہی خیر ہے۔“

(راوی عمران بن حصین رضی اللہ عنہ - کتاب صحیح بخاری)

”حیا“ اس فطری جذبہ کو کہتے ہیں جو انسان کو خیر کی طرف راغب کرتا ہے۔ برائیوں سے دور رکھتا ہے۔ ایک مسلمان کے ایمان کا تقاضہ ہے کہ وہ با حیا ہو۔ گفتگو میں حیا یہ ہے کہ زبان سے برے کلمات نہ نکالے۔ لباس میں حیا یہ ہے کہ ایسا لباس زیب تن کرے جس سے جسم کے وہ حصے چھپ جائیں جن کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔ غذا میں حیا یہ ہے کہ کہ انسان وہ کھانے نہ کھائے جن کے کھانے سے اللہ کی نافرمانی ہوتی ہے۔ اپنے سر میں آنے والے خیالات کی نگرانی بھی کرتا رہے۔ کیونکہ دماغ پہلے بے حیائی کی بات سوچتا ہے پھر اس کو عمل میں لاتا ہے۔

انسانوں میں محمد ﷺ سب سے زیادہ باحیا تھے۔ ان کا ہر قول و عمل اللہ کی مرضی کے مطابق ہوتا تھا۔ آپ کے صحابہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پیکر حیا تھے۔ وہ رسول اللہ کی باتوں پر خوب عمل کرتے تھے۔ وہ لباس کے معاملے میں ایسے باحیا تھے کہ کسی نے ان کی ٹانگ تک کا کوئی حصہ بھی ننگا نہ دیکھا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ نبی ﷺ مدینہ منورہ کی مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے تہہ بند کا ایک حصہ گھٹنے کے اوپر سے اٹھا ہوا تھا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے اسے یونہی رہنے دیا۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ آئے تو بھی ایسے ہی رہنے دیا۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنی ٹانگ کو ڈھانک لیا۔ اور فرمایا، ’عثمان رضی اللہ عنہ بہت حیا کرنے والے ہیں‘۔ یہ ہوسکتا تھا کہ وہ واپس لوٹ جاتے۔ حضرت عثمان کی زبان سے کبھی کسی کی دل آزاری کا لفظ نہ سنا گیا۔ وہ لوگوں کے حق میں نہایت شفیق و رحیم تھے۔ ان کے

خلافت کے آخری دور میں جب بلوائیوں کا زور بڑھا اور انہوں نے ان کے گھر کو گھیر لیا۔ تو صحابہ کرام نے ان کو مشورہ دیا کہ کہ ان کی سرکوبی کی جائے۔ مگر وہ نہ مانے وہ نہیں چاہتے تھے کہ صرف ان کی خاطر کسی ایک مسلمان کا بھی خون بہے۔ وہ حیا کے اعلی معیار پر تھے۔ یہاں تک کہ یہ بلوائی ان کے مکان کی دیوار پھاند کر اندر گھس آئے اور ان کو شہید کر دیا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

جس کو خدا کی شرم ہے وہ بزرگ دین ہے
دنیا کی جس کو شرم ہے وہ مرد شریف ہے
جس کو کسی کی شرم نہ ہو اس کو کیا کہوں
فطرت کا وہ رزیل ہے دل کا کثیف ہے

خواتین کی حیا کا symbol ان کا ’حجاب‘ ہے۔ جو یہ اعلان کرتا ہے کہ ہم ہر ایک کے لیے open نہیں ہیں۔۔ ہم اللہ کے حکم کو ماننے والے ہیں۔ لباس میں حیا کے تقاضوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ لباس اس قدر باریک نہ ہو کہ جسم جھلکے اور نہ ہی اس قدر چست ہو کہ جسم کے سب زاویے نمایاں ہو جائیں۔ بات چیت میں حیا یہ ہے کہ مخلوط محفلوں میں مردوں کی طرح بلند آواز سے قہقہے نہ لگائے جائیں۔ عورتوں کا مردوں کے ساتھ خلط ملط mix gatherings میں شامل رہنا بھی حیا سے دوری ہے۔ facebook اور whatsapp پر اپنی میک اپ شدہ اور ناز و انداز والی تصاویر post کرنا بھی حیا سے دوری ہے۔ اس کے علاوہ آنکھوں سے ایسے dramas, shows and movies دیکھنا جو عریانیت اور تشدد کا پیغام دیتی ہوں وہ بھی حیا سے دوری ہے۔

حیا ایمان کا شعبہ ہے جو حیا کرے گا وہ اسے جنت میں لے جائے گی اور بے حیائی جہنم میں لے جائے گی۔

اللهم صل على محمد سيدنا وسلم

حدیث-15

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا تَغضَب

"غصہ نہ کر۔"

(راوی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۔ کتاب صحیح بخاری)

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور درخواست کی کہ مجھے نصیحت فرمائیے۔ آپ بڑے مزاج شناس تھے اور لوگوں کو ان کے مزاج کے مطابق نصیحت فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، غصہ نہ کر۔ اس کو یہ بات بہت آسان لگی اور اس نے یہ سوچ کر بار بار درخواست کی کہ شائد اس بار آپ کچھ اور نصیحت فرمائیں گے۔ مگر آپ ﷺ نے ہر بار یہ ہی فرمایا۔ 'غصہ نہ کر'

'غصہ' ایک بری صفت ہے جبکہ اس کا استعمال موقعہ بے موقعہ کیا جائے۔ اس سے کاموں میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ کچھ لوگ بہت جلد غصہ میں آجاتے ہیں۔ ان کے مزاج کے خلاف ذرا سی تحریک ان میں غصہ بھر دیتی ہے۔ ایسے لوگ والدین کے ساتھ بدتمیزی کرتے ہیں۔ استاد اور دوستوں کے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں۔ اگر کہیں Job جاب کرتے ہیں تو زیادہ دن وہ جاب نہیں چلتی۔ لڑ کر گھر بیٹھ جاتے ہیں۔ شادی شدہ ہیں تو بیوی سے ناراض ہو کر اس کو ایک ہی بار تین طلاقیں دے کر فارغ کر دیتے ہیں۔ اگر صاحب اولاد ہیں تو بچوں کو ڈرا سہا کر رکھتے ہیں۔ عامۃ الناس ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتے اور ان سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔

محمد ﷺ نے فرمایا۔ "بلا شبہ غصہ ایمان کو ایسا بگاڑ دیتا ہے جیسے ایلوا شہد کو" (بیہقی)

گو کہ یہ ایک طبعی صفت ہے مگر اس کو کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔

محمد ﷺ نے فرمایا: اپنے مقابل پہلوان wrestler کو شکست دینے والا زوردار پہلوان نہیں ہے بلکہ زوردار پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔"

(بخاری و مسلم)

مشہور scholar مفتی محمد اسماعیل مینک نے اپنے بارے میں بتایا کہ جب وہ اپنے teens میں تھے تو بہت غصیلے تھے۔ اگرچہ قابلیت اور تقوی میں بھی آگے تھے۔ مگر غصہ کی وجہ سے گھر میں بھائی بہن ان سے زیادہ بات چیت نہ کرتے تھے۔ دوست احباب بھی دور ہو گئے تھے۔ ان ہی دنوں مدینہ یونیورسٹی سے ان کے داخلہ کا لیٹر آ گیا۔ پتہ چلا درخواست ابا جان نے بھر کر بھجوائی تھی۔ خود ان کا ارادہ امریکہ جا کر ڈاکٹری پڑھنے کا تھا۔ واضح رہے آپ زمبابوے کے رہنے والے ہیں۔ باپ نے سمجھایا کہ مدینہ یونیورسٹی چلے جاؤ اگر نہ پڑھ سکے تو واپس آجانا اور جو مرضی ہو پڑھ لینا۔ وہاں پہنچے تو تجربہ ہوا کہ ان کے سسٹم میں 'بکرہ' یعنی کل آنا کا رواج بہت ہے۔ وہ کہاں برداشت کرتے۔ بحث و تکرار کی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اب تو غصہ میں بھرے گھر واپس آئے اور فیصلہ کر لیا کہ کل ہی واپس چلے جائیں گے۔ گھر آ کر جب سوچا تو نبی کریم کی حدیث یاد آئی کہ 'مدینہ اپنے اندر سے خراب اجزاء کو نکال کر باہر پھینک دیتا ہے۔ مدینہ پاک ہے۔' دجال کے خروج کے زمانے میں جب وہ مدینہ کے قریب آئے گا تو منافقین مدینہ چھوڑ کر اس سے جا ملیں گے۔ اس حدیث نے ان کی سوچ کا دھارا بدل دیا۔ اور انہوں نے یہ عزم کر لیا کہ وہ ثابت کر دیں گے کہ وہ ایک پاک نفس انسان ہیں چاہے سسٹم ان کو کتنا ہی تنگ کرے۔ اب بھی جب کبھی ان پر غصہ غالب آنے لگتا ہے وہ اسی فرمان رسول ﷺ کو یاد کر لیتے ہیں 'لا تغضب'۔ انہیں لگتا ہے کہ نبی پاک خاص طور پر ان سے کہہ رہے ہیں۔ اس طرح اس حدیث پر روز بروز عمل کرنے سے وہ غصہ پر قابو پانا سیکھ گئے۔ اللہ تعالی نے انکی رہنمائی فرمائی اور ممتاز علماء کے اس قحط کے زمانے میں مسلمانوں کو انگلش زبان کا ایک بہترین عالم میسر آ گیا۔

غصہ کے لحاظ سے انسانوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ جائزہ لیجئے کہ آپ کس قسم میں آتے ہیں۔

① غصہ میں ایسے غضبناک ہوتے ہیں کہ ان کے ہوش وحواس گم ہوجاتے ہیں۔ انہیں اس بات کا ہوش نہیں رہتا کہ کیا بول رہے ہیں، کیا کر رہے ہیں، بات حق ہے یا ناحق۔

② ایسے ٹھنڈے ہوتے ہیں کہ کہ بڑی سے بڑی بات ہوجائے ان کو پتہ نہیں چلتا کہ غصہ کہاں ضروری ہے۔ یہ کمزور اور دبے ہوئے لوگ ہوتے ہیں جو غصہ کو پیتے پیتے بے حس ہوجاتے ہیں۔

③ جو بوقت ضرورت غصہ کرتے ہیں اور سبب ختم ہونے پر غصہ ختم کردیتے ہیں۔ یہ صحیح قسم کے لوگ ہیں۔

④ ایسے لوگوں کو پتا نہیں چلتا کہ کہاں غصہ ضروری ہے۔ چھوٹی سی بات پر اتنا غصہ کرتے ہیں اور بڑی سے بڑی بات پر خاموش رہتے ہیں۔ یہ لوگ نادان اور جاہل ہوتے ہیں اور غلط موقعہ پر دل کی بھڑاس نکال کر اپنے آپ کو بے وقعت کردیتے ہیں۔

غصہ کا علاج محمد ﷺ نے یہ بتایا ہے:

- أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں) فوراً پڑھ لیا کرے اور اگر وہ نہیں پڑھ رہا تو وہاں موجود دوسرے آدمی کو زور زور سے پڑھنا شروع کردینا چاہیے۔
- زبان بند کرلے اور بالکل گونگا ہوجائے۔ (مسند احمد)
- موجودہ حالت کو تبدیل کرلے۔ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے۔ بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔ وضو کرلے۔ (مشکوٰۃ شریف)

غصہ ایک اچھی صفت بھی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں شرک کرتے ہوئے دیکھنے پر موسیٰ علیہ السلام کے غضبناک ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ نیز احادیث میں محمد ﷺ کا اللہ کی خاطر غصہ کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ جہاں دینی شعائر کا مذاق اڑایا جارہا ہو۔ ان کی تذلیل کی جارہی ہو۔ چاہے محمد ﷺ کی ذات اقدس پر کیچڑ اچھالی جائے یا دین اسلام کے کسی رکن یا عقیدہ کا مذاق اڑایا جائے۔ اس وقت غصہ سے چہرہ پر تمتماہٹ کا آنا ایمان کی نشانی ہے۔ ایسا بندہ

اللہ کو محبوب ہے۔

محمد ﷺ نے ایک حدیث مبارکہ میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ فلاں بستی کو الٹ دو...... فرشتوں نے جواب دیا کہ اس بستی میں ایک بندہ رہتا ہے جو بہت عبادت گزار ہے۔ فرمایا وہیں سے شروع کرو، کیونکہ جب ہمارے دینی احکام کا انکار کیا جارہا تھا تو اس کا چہرہ کبھی غصہ اور ناگواری کے احساس سے سرخ نہیں ہوا۔

اللهم صل علی محمد

15 Dec

حدیث-16

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تَهَادَوْا تَحَابُّوْا

”آپس میں ہدیہ دو اور محبت پیدا کرو۔“

(راوی ابوھریرہ رضی اللہ عنہ ۔ کتاب ابو یعلی)

ہدیہ یعنی gift دینے کا رواج بہت پرانے زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اس سے دل کی کلی کھل جاتی ہے محبت راستہ بنا کر دل میں اُترتی چلی جاتی ہے۔ ہدیہ کے لیے ضروری نہیں کہ بہت قیمتی ہو یا کسی تقریب occasion کا انتظار کیا جائے۔ یہ تو ایک گلاب کا پھول بھی ہو سکتا ہے اور پورا Bouquet بھی۔ یہ ایک جیولری سیٹ بھی ہو سکتا ہے اور ایک انگوٹھی بھی۔ محمد ﷺ کی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ اکثر صحابہ و صحابیات کو گفٹ عنایت فرماتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ بڑی خوب صورت یمنی چادر آئی، آپ ﷺ نے اس کو ایک صحابیہ کو بھجوا دیا اور کہا کہ اس کے نیچے استر لگا کر استعمال کرنا کیونکہ یہ باریک ہے۔ آپ ﷺ کو خوشبو بہت پسند تھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ کو اس کا گفٹ بھیجا کرتے تھے آج کل کے زمانے میں ایک اچھی کتاب بہترین گفٹ ہے یا کسی لیکچر کی CD یا قرآن کے بہترین قاری کی CD یا لڑکی کو دینا ہے تو خوبصورت سکارف بھی دیا جا سکتا ہے۔ گفٹ دینے والے کو اس بندے کی طبیعت و مزاج سے واقفیت ہونی چاہیے کہ کس شے سے وہ خوشی محسوس کرتا ہے۔ اپنے ہاتھ سے Art & craft کی کوئی چیز بنا کر دے دی، Its the thought that counts. بچے اپنے ماں باپ، دوستوں بہن بھائیوں کو کچھ اپنے ہاتھ سے بنا کر دیں تو زیادہ خوشی کی بات ہے۔ ماں بچے کے لیے ہر اچھے عمل پر، امتحان میں نمبر زیادہ آنے پر یا ماں کی اطاعت کرنے پر گفٹ دے سکتی ہے وہ ایک Hug اور Kiss کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے اور ”دعا“ بھی جو دل کی گہرائیوں سے نکلی ہو، Brownies یا Cake کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے یا garden کا کوئی پھل یا سبزی جو آپ نے اپنی محنت سے اگایا ہو۔

پھر گفٹ دینے کا طریقہ بھی نرم و شفیق ہونا چاہیے۔ اس Couple کی طرح نہیں جن کی آپس میں ناراضگی تھی۔ شوہر کسی لیکچر میں گیا وہاں اس نے سنا عورتیں پھولوں سے خوش ہوتی ہیں۔ واپسی پر وہ گلدستہ لیتا آیا اور لے جا کر بیوی کے سامنے دے مارا۔ لو اب خوش ہو جاؤ یہ ہی چاہتی تھیں تم۔ لو سنبھالو۔ بیوی حیرانی سے اس کو تکتی رہ گئی۔ کسی کے کام پر حقیقی تعریف کے دو بول بھی محبت سے بولے جائیں تو یہ بھی ایک بڑا گفٹ ہوتا ہے۔ محمد ﷺ کی بات سے سچی بات کس کی ہو سکتی ہے آزما کر دیکھیے۔

اپنے پیاروں پر اپنی محبت اور خلوص کے اظہار کے لیے ہدیہ دینا تعلقات کو مضبوط کرتا ہے۔ اچھی بات کہنا، اچھے نام سے پکارنا، اپنی محبت کا زبانی اظہار کرنا یہ سب زبان کے ہدیے ہیں۔ جس سے انسان کے دل خوش ہوتے ہیں اور دل جڑتے ہیں۔ اسی طرح چیزوں کے ہدیے ایک دوسرے کے دل جوڑتے ہیں اور باہمی محبت میں اضافہ کرتے ہیں۔

محمد ﷺ نے فرمایا: ”ایک دوسرے کو ہدیے بھیجا کرو تو آپس میں محبت پیدا ہو گی اور دلوں سے دشمنی اور بُعد دور ہو جائے گا۔“ کوئی ہدیہ کیسا بھی ہو وصول کرنے والے کو ہمیشہ اس کو شکر و احسان مندی کے جذبات سے قبول کرنا چاہیے اور خوشی کا اظہار کرنا چاہیے، ہدیہ کی تعریف کرنی چاہیے۔ یہ ہدیہ کا فوری بدل ہے۔ ہدیہ کے بدلے ہدیہ دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔ نبی کریم ﷺ کا اصول تھا کہ آپ ہمیشہ ہدیہ کا بدل دینے کی کوشش کرتے۔ ایک شخص نے لینے سے انکار کیا تو آپ نے سخت ناراضی کا اظہار فرمایا۔ ہدیہ نہ لینا انسان کے تکبر کو ظاہر کرتا ہے اور دینے والے سے اس کی دلی دوری کا اظہار بھی ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم

حدیث-17

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلْبَرَکَةُ مَعَ اَکَابِرِکُمْ

''بزرگوں کی وجہ سے برکت ہوتی ہے۔''

(راوی ابن عباس رضی اللہ عنہما ۔ کتاب کتاب الصحیحة ابن حبان)

جس گھر میں بزرگ نانا، نانی، دادا، دادی یا دوسرے بزرگ خالہ ماموں و چچا وغیرہ رہتے ہوں اس گھر میں اللہ برکت دیتا ہے۔ ''برکة'' کا مطلب ہے ''بڑھنا، نشوونما پانا'' اس گھر میں رحمت برستی ہے اگر بزرگوں کا احترام دل میں ہو تو مکین پرسکون زندگی گزارتے ہیں۔ بزرگوں کے تجربوں سے چھوٹے فائدے اٹھاتے ہیں۔ وہ صحیح مخلصانہ مشورہ دیتے ہیں۔ بچوں سے محبت کرتے ہیں پھر جن بچوں کو پیار و محبت ملتی ہے وہ بڑے ہو کر محبت تقسیم کرتے ہیں ان گھروں میں اللہ کا ذکر اللہ کی عبادت کی کثرت ہوتی ہے۔ دعاؤں کا خزانہ ہوتا ہے جس کا در ہر ایک کے لیے ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ بڑے بدنصیب ہیں وہ گھرانے جو بزرگوں کو اپنے گھر میں رکھنا پسند نہیں کرتے اگر کسی بزرگ کے دو تین بیٹے ہیں تو ان بیٹوں کی بیویاں شکوہ کناں رہتی ہیں کہ تم ہی تو صرف بیٹے نہیں ہو، جاؤ ان سے کہو دوسرے بیٹے کے پاس جائیں۔ وہ اپنا سامان لے کر دوسرے بیٹے کے گھر اور پھر تیسرے کے گھر منتقل ہو جاتے ہیں اور یوں بے سکونی و پریشانی کی زندگی گزارتے اللہ کو پیارے ہو جاتے ہیں نہ کوئی مشورہ طلب کرتا ہے نہ ان کی زندگی کے تجربات سے فائدہ اٹھاتا ہے نہ بچے ان کے قریب آتے ہیں ان کو کنارے پر کر دیا جاتا ہے اور یوں اپنے گھر سے رحمت و برکت کو دور کر دیا جاتا ہے۔

بزرگوں کی عزت و احترام کرنے والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی صلہ دیتا ہے ان کی اولاد ان کے لیے باعث راحت و سکون بنتی ہے اور آخرت میں تو اجر عظیم ان کا منتظر ہے۔ کبھی بھی کم حیثیت گھرانے اس پر نظر نہ رکھیں کہ ان بوڑھے لوگوں پر خرچہ بہت ہوتا ہے

علاج پر اور کھانے پر۔ یاد رکھیں اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے بہت سی بلائیں ٹال دیتا ہے۔ بہت سی موذی بیماریوں سے بچا لیتا ہے اور بچے خدمت کرنے کا جذبہ لے کر بڑے ہوتے ہیں۔ خدمت خلق ان کی سرشت بن جاتی ہے جو کہ معاشرہ کو فائدہ پہنچاتی ہے۔

اب کہاں سے لاؤں وہ رحمتیں
جہاں ماؤں سے خالی ہو گیا ہے

اللھم صل علی محمد

حدیث-18

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ صَمَتَ نَجَا

''جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔''

(راوی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ کتاب جامع ترمذی)

اس حدیث میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ انسان کی خاموشی اس کے لیے فائدہ مند ہے یعنی بات کرے تو اچھی بات کرے ورنہ خاموش رہے۔ جو لوگ زیادہ بولتے ہیں وہ اس بات کا خیال نہیں رکھ پاتے کہ کتنی باتیں وہ غلط اور گناہ والی بول جاتے ہیں۔ انسان کو اپنی زبان سے نکلی ہوئی بات کی سنگینی کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ اسے جہنم کی گہرائیوں میں پھینک رہی ہے۔ کہیں مذاق ہی میں کسی کا دل دکھا دیا۔ کسی کی بے عزتی کر دی کسی کے چھپے ہوئے عیب عیاں کر کے اُسے شرمسار کر دیا۔ حالانکہ اللہ نے تو عیبوں پر پردہ ڈالنے کا حکم دیا ہے۔ کبھی ایسے شعر پڑھ دیے، یا لطیفے Jokes اس قسم کے سن لیے جاتے ہیں جس میں اللہ کی ذات اس کے حساب کتاب کے دن اور جنت دوزخ کی تضحیک ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے زمرے میں آتی ہے۔ کہیں صرف لحن کے شوق میں اور عقیدت میں محمد ﷺ کی شان میں ایسے نعتیہ اشعار پڑھ لیے جس میں محمد ﷺ کا رتبہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ بڑھا دیا۔ یا اس کے برابر کر دیا جو شرک میں شمار ہو گیا جس کی بخشش نہیں ہے۔ کہیں کسی سے جھگڑا ہوا تو وہ حد سے بڑھ گیا اور منہ سے مغلظات کا طوفان ابل پڑا۔

ایسے تمام مقامات پر زبان کا غلط استعمال بندہ کو بہت نقصان پہنچاتا ہے اور بندہ کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی اور جب خبر نہیں ہوتی تو توبہ کا کیا سوال!

خاموشی ہر وقت فائدہ مند نہیں ہوتی بعض مقامات پر یہ نقصان دہ ہوتی ہے۔ مثلاً جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مذاق اڑایا جا رہا ہو اور بندہ چپ رہے تو اس کا شمار بھی اللہ کے ہاں ایسے ہی لوگوں میں ہو گا۔ کیونکہ خاموشی رضامندی کی نشانی ہے۔ کسی کی غیبت کی جا رہی ہے اور بندہ خاموشی سے سن رہا ہے تو وہ بھی گناہ میں شمار ہو گا۔ اسے چاہیے کہ اسے کہے بھئی وہ شخص موجود نہیں ہے اس لیے ہم کو ایسی بات نہیں کرنی چاہیے۔ یا کسی فرد پر ہمارے سامنے ناحق ظلم ہو رہا ہے یا کسی قوم پر ناحق ظلم ہو رہا ہے تو ہم کو اپنی امکانی حد تک اس کے حق میں ضرور بولنا چاہیے، Protest کرنا چاہیے۔

جب دو لوگوں میں جھگڑا ہو رہا ہو تو باقی موجود لوگوں کو خاموش نہ رہنا چاہیے بلکہ آگے بڑھ کر اسے ختم کرانے کی کوشش کرنا چاہیے۔ اگر کوئی فریق نہ مانے تو محمد ﷺ کی حدیث یاد کرا دینی چاہیے کہ جو حق پر ہوتے ہوئے بھی جھگڑا چھوڑ دے اس کو جنت کے وسط میں گھر ملنے کی بشارت ہے۔

جھگڑا میاں بیوی کے درمیان ہو یا دو دوستوں کے درمیان یا دو بہن بھائیوں کے درمیان جو بات بڑھنے کے خوف سے خاموش ہو گیا وہ اس کے لیے خیر کا باعث ہو گا۔

اس سلسلے میں یہ واقعہ پڑھیے احنف بن قیس رحمہ اللہ قبیلہ تمیم کے سردار تھے۔ بڑے زیرک، بااخلاق، علم والے اور باعمل انسان گزرے۔ ان کے حاسدوں نے ایک آدمی کو مقرر کیا کہ جا کر ان کو گالیاں دے۔ احنف رحمہ اللہ بازار سے گزرے تو راستے میں کھڑے اس شخص نے چلا چلا کر گالیاں دینا شروع کر دیں۔ مگر انہوں نے کوئی Reaction ظاہر نہیں کیا۔ خاموشی سے اپنی خرید و فروخت میں مصروف رہے۔ یہاں تک کہ گالیاں دینے والا خاموش ہو گیا اور اپنے آپ کو لعنت و ملامت کرنے لگا کہ ہائے میں تو اس شخص کی نظر میں حقیر تنکے کی طرح ہوں اس نے تو میرا کوئی نوٹس نہ لیا اور وہاں سے افسوس کرتا ہوا لوٹ گیا۔

ایک اور موقع پر اسی طرح احنف رحمہ اللہ گزر رہے تھے کہ راستے میں ایک شخص ملا اور مغلظات کا طوفان اس کے منہ سے ابلنے لگا۔ وہ خاموشی سے سنتے رہے اور چلتے رہے یہاں تک کہ وہ گالیاں دے دے کر تھک کر رک گیا۔ تب وہ بولے ''کچھ گالیاں باقی رہ گئی ہوں تو وہ بھی دے لو۔'' کیونکہ اب آگے میرے قبیلے کی حدود شروع ہو رہی ہیں ان میں سے کسی

نے تم کو اس حال میں دیکھ لیا تو وہ تمہاری تکہ بوٹی کر دیں گے۔

سبحان اللہ کیسے باعمل انسان تھے۔ ہمارے لیے تابندہ مثال ہے۔ ہم جو ذرا سی بات پر بھڑک اٹھتے ہیں۔ ہمیں کوئی ایک بات کہہ دے، ہمارا کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہوتا جب تک اس کو دس باتیں نہ سنا دیں اور دس لوگوں میں اس کا ذکر نہ کر دیں۔ خاموشی آنے والے سو طوفانوں کو روک دیتی ہے اور سو گناہوں سے بچاتی ہے۔

اللھم صل علی محمد

حدیث-19

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنْفِقْ اُنْفِقْ عَلَیْكَ

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔''

(راوی ابوھریرة رضی اللہ عنہ۔ کتاب بخاری و مسلم)

اس حدیث میں مسلمانوں کو خرچ کرنے کی تعلیم دی گئی ہے یعنی فیاضی وسخاوت جیسی صفت کی۔ کس پر خرچ کریں اللہ تعالیٰ کے محتاج بندوں پر اور دین کے کاموں کی ترویج و اشاعت کے سلسلہ میں انسان خرچ کرتا ہے تو اس کا بدلہ آخرت میں بھی پائے گا اور دنیا میں بھی اس کو دیا جائے گا۔ اس کے مال میں برکت ہوگی۔ یہ شیطان ہے جو اس کو بخیلی کا مشورہ دیتا ہے اور دینے کے وقت انسان کی سیکڑوں ضروریات اس کے سامنے لا کھڑی کرتا ہے تا کہ وہ رک جائے۔ کچھ لوگ رک بھی جاتے ہیں مگر جو لوگ خلوص نیت سے اللہ کے قول کو سچ جان کر خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بہت جلد اس کا صلہ بھی عطا فرما دیتا ہے۔

سچا واقعہ ہے کہ Dallas میں ایک صاحب تھے Lousiana کے طوفان سے لٹے پٹے آئے ہوئے، مسجد میں داخل ہوئے فنڈ ریزنگ ہو رہی تھی ان کی جیب میں صرف 20 ڈالر کا نوٹ تھا سوچ رہے تھے یہ بڑا کام آ سکتا ہے دو دن کا کھانا مل سکتا ہے اس سے یا پھر ایک دن کا کھانا اور ایک دن کے پٹرول کا کام چل جائے گا مگر جب بچے نے ان کے آگے ڈبہ کیا تو انھوں نے حوصلہ سے کام لیا اور نوٹ اللہ کی راہ میں لٹا دیا۔ نماز سے فارغ ہو کر باہر نکلتے ہیں اجنبی لوگ ہیں ایک صاحب سے اپنی بات کرتے ہیں وہ صاحب دوسرے صاحب سے ملوا دیتے ہیں اور اسی وقت ان کو ایک بڑی جاب کی آفر مل جاتی ہے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہیں کہ ان کے پاس دو دن کا سرمایہ تھا مولا نے مستقل بندوبست کر دیا۔

اللھم صل علی محمد النبی الامی وعلی الہ وسلم تسلیما

حدیث-20

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلْعَارِیَۃُ مُوأَدَّۃٌ
''مانگی ہوئی چیز واجب الاعادہ ہوتی ہے۔''

(راوی ابن عباس رضی اللہ عنہما - کتاب حاکم)

''اَلْعَارِیَۃُ'' وہ چیز ہوتی ہے جو ادھار لی جائے یعنی کسی سے ضرورت کے وقت مانگی Borrow کی جائے۔ اس کے لیے پیارے نبی ﷺ کی یہ تعلیم ہے کہ اسے واپس ضرور کرنا چاہیے۔ یہ چیز کچھ بھی ہو سکتی ہے ایک قلم، ایک کتاب، یا استعمال کے برتن، زیور، کپڑے وغیرہ۔

غزوہ حنین کے وقت نبی ﷺ نے صفوان رضی اللہ عنہ بن امیہ جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے اور ایک مال دار قریشی سردار تھے۔ ان سے لڑائی کا سامان طلب کیا۔ اس نے پوچھا کیا یہ سامان بطور قرض ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مانگی ہوئی چیز ضرور لوٹائی جاتی ہے۔'' تو اس نے 100 زرہیں ادھار دیں۔ جو آپ ﷺ نے غزوہ حنین میں فتح کے بعد نہ صرف یہ کہ واپس کر دیں بلکہ اس کو بھیڑ بکریوں کا ایک بڑا گلہ بھی عنایت فرمایا۔

ہم مسلمانوں میں سے یہ سنت مٹتی جا رہی ہے اور ہم اس پر دھیان نہیں دیتے۔ خصوصی طور پر کتاب تو جن سے لی جاتی ہے وہ واپسی کا انتظار ہی کرتے رہ جاتے ہیں اور لینے والا اسے گھر میں چھوڑ کر یوں بھول جاتا ہے جیسے وہ اسی کا مال تھا۔ یہ ہی حال دوسری چیزوں کا بھی ہے یہ کھو گئی یہ ٹوٹ گئی وغیرہ قسم کی باتیں سننے کو ملتی ہیں یہ ایک مسلمان کو تکلیف دینا ہے اگر غیر مسلم سے کوئی چیز لے کر واپس نہ کی تو اس پر مسلمانوں کا برا image پڑتا ہے۔ کاش ہم اس پر عمل کرنے والے بنیں۔ اکثر گاڑی بھی تھوڑی دیر کے لیے borrow کی جاتی ہے پھر چاہے کام پورا ہو جائے اس دن تو کبھی واپس نہیں کی جاتی اور اس دوران اس میں کوئی

نقصان damage ہو گیا۔ مثلاً wind shield میں crack پڑ گیا تو صاف کہہ دیا جاتا ہے محلہ والوں کے بچوں نے پتھر پھینک دیا تھا "sorry" کہہ کر جان چھڑا لی جاتی ہے اور اگر ایکسیڈنٹ ہو گیا اور بڑا نقصان ہو گیا تو پھر کون دیتا ہے۔ یہ نہایت شرمناک بات ہے ادھار لی ہوئی چیز بندہ کے ذمہ داری ہوتی ہے اسے جوں کا توں واپس کیا جانا چاہیے۔ اگر اسے خراب کر دیا تو اس کی خرابی کو دور کر کے اس کو واپس اصلی صورت میں ہی واپس کرنا چاہیے۔ سوائے اس کے جس سے عاریۃً مانگی تھی وہ اس پر راضی ہو جائے کہ وہ نقصان کے پیسے نہیں لے گا۔

اللھم صل علی محمد